مختصر

احادیثِ رمضان

آداب واحکام

مرتب:

فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن صالح الفوزان حفظہ اللہ

ترجمہ:

ابوکلیم مقصود الحسن فیضی حفظہ اللہ

بتعاون:

روشنی ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ

ناشر:

مرکز الدعوۃ الإسلامیۃ والخیریۃ

مختصر

احادیثِ رمضان

آداب و احکام

مرتب:

فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن صالح الفوزان حفظہ اللہ

ترجمہ:

ابو کلیم مقصود الحسن فیضی حفظہ اللہ

بتعاون:

روشنی ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ

ناشر:

مرکز الدعوۃ الإسلامیۃ والخیریۃ

حقوق طبع محفوظ ہیں

نام کتاب	:	مختصر احادیثِ رمضان
مؤلف	:	فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن صالح الفوزان حفظہ اللہ
مترجم	:	مقصود الحسن فیضی حفظہ اللہ
طباعت	:	A1/گرافکس اسٹوڈیو / 9819189965-91+
صفحات	:	144
ایڈیشن	:	اول
سنہ اشاعت	:	شعبان ۱۴۴۳ھ مطابق مارچ ۲۰۲۲ء
تعداد	:	5/ہزار
ناشر	:	مرکز الدعوۃ الاسلامیہ والخیریہ

فہرست مضامین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرض ناشر

جامداً ومصلياً، أما بعد!

اللہ تعالیٰ کا احسان وکرم اور اس کا خاص انعام واعزاز ہے کہ اس نے تمام کائنات اور بے شمار مخلوقات میں انسان کو سب سے خوبصورت، معتدل اور بہترین ساخت میں پیدا فرمایا، اور کائنات کی ساری جاندار و بے جان میں اسے افضل واعلیٰ بنایا۔ فللّٰہ الحمد حمداً کثیراً۔

حضرت انسان کا اپنا وجود دو چیزوں کا مجموعہ ہے۔ ایک کو جسم اور دوسری کو روح کہتے ہیں۔ یہ جسم وروح کا مجموعہ انسان اگر ایمان کی دولت سے محروم رہ جائے تو وہ جانور سے زیادہ گمراہ و بے وقعت قرار پاتا ہے، اور ایمان وعمل کی بدولت وہ سجود ملائکہ کے شرف سے مشرف ہوتا ہے۔ صاحبِ ایمان اپنے وجود کو اور اپنی خودی کو اچھی طرح پہچانتا ہے وہ اپنے مادی جسم کی بقا وصلاح کی خاطر مادیت کی طرف جھکتا ہے، کسبِ معاش کے لئے تگ ودو کرتا ہے۔ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ جسم کے فلاح وبہبود اور بقا کیلئے اسے مسلسل محنت کرنے کی ضرورت ہے۔ مصائب وبلیات اور عوارض وحادثات سے اسے بچانا بھی ضروری ہے۔

جسم کی پرورش وپرداخت کے لئے ہر شخص یکساں طور پر فکر مند ہوتا ہے۔ بے ایمان، دہریہ یا ایماندار سبھی جسم کی قدر وقیمت سے بخوبی واقف ہوتے ہیں اس لئے اسے مضبوطی اور توانائی فراہم کرنے کے لئے ہر کوئی مادیت کے حصول کے لئے شب وروز ایک کئے ہوئے ہے۔

دوسری چیز روح جو غیر مرئی ہے اسے دیکھا نہیں جا سکتا ہے صرف محسوس کیا جا سکتا

ہے۔جب تک جسم میں روح ہے جسم بھی قابلِ قدر ہے۔روح نکل جائے تو جسم محض مٹی کا ایک تودہ ہے۔روح کی پرورش و پرداخت کے لئے روحانیت کی ضرورت ہے جو آسمانی تعلیم کی شکل میں موجود ہے،اور سچا پکا مومن جسم اور روح دونوں کے لئے فکر مند رہتا ہے۔

مرکز الدعوۃ الاسلامیہ والخیریہ سونس ایک مستند دینی ،دعوتی ورفاہی ادارہ ہے اور اپنے یومِ تاسیس ہی سے سرگرم عمل ہے۔اپنے اہداف ومقاصد کی تکمیل کے ساتھ دوسرے اداروں کے ساتھ جڑ کر خیر کے کاموں میں شانہ بشانہ چلنے کی کوشش کرتا ہے ۔خاص طور سے روشنی گروپ کوکن کی سرگرمیوں کے نفاذ کے لئے بھی مرکز کوشاں رہتا ہے،اور یوں دعوت وتبلیغ کے ساتھ ساتھ وہ رفاہی کاموں میں بھی پیش پیش رہتا ہے۔

ادھر پچھلے کئی سالوں سے روشنی گروپ کوکن، اضلاعِ کوکن (تھانہ، رائیگڈھ، رتناگری اور سندھودرگ) میں رمضان راشن پیک کی مفت تقسیم کر رہا ہے۔یتیموں، بیواؤں اورضرورت مندوں کومختلف اجناس پر مشتمل خوردنی اشیاء فراہم کر رہا ہے،اور ہزارہا لوگ اس سے مستفید ہو رہے ہیں۔

روشنی گروپ کوکن نے سوچا کہ کیوں نہ اپنے متعلقین میں ہم جسمانی غذا کے ساتھ روحانی غذا بھی تقسیم کریں۔اسی جذبے کے تحت مرکز کے زیر سرپرستی ماہِ رمضان کی مناسبت سے ہم ایک کتابچہ پیش کرتے ہوئے دلی خوشی محسوس کررہے ہیں۔

یوں تو مرکز کی مطبوعات کافی ہیں جو دادِ تحسین حاصل کرچکی ہیں اور اس میں کئی کتابیں شیخ مقصود الحسن فیضیؔ حفظہ اللہ کی ہیں۔چونکہ ماہِ رمضان آرہا ہے اور اسی مناسبت سے ہم فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن صالح الفوزان حفظہ اللہ کی ایک اہم کتاب پیش کررہے ہیں جسے ابوکلیم مقصود الحسن فیضیؔ حفظہ اللہ نے اردو قالب میں ”احادیثِ رمضان،آداب واحکام“ کے نام سے ڈھالا ہے۔

مولفِ کتاب قابل مبارکباد ہیں کہ انہوں نے احادیثِ رمضان کو یکجا کر دیا ہے جسے ذاتی طور سے پڑھ کر اپنی اصلاح کریں، مسجدوں میں اسے دروس میں شامل کریں۔

بیس حدیثیں رمضان اور روزوں کے فضائل ومسائل پر مشتمل ہیں۔ آخری عشرہ اور عید سے متعلق نو حدیثیں ہیں اور چار حدیثیں رمضان کے بعد کی رہنمائی پر مشتمل ہیں۔

یہ کتاب آپ کی روحانی غذا ہے۔ ماہِ رمضان میں اسے بغور پڑھئے اور عمل کیجئے۔ ماہِ رمضان جیسی پُرسعادت ساعتوں میں اپنے آپ کو ہمہ تن تیار رکھئے اور اسے غنیمت سمجھئے کیونکہ ایسے مواقع بار بار نہیں آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب کے مؤلف، مترجم اور جملہ معاونین کو اجر وثواب کا حقدار بنائے اور ان کے لئے اسے صدقۂ جاریہ کے زمرے میں شامل فرمائے۔

خادم العلم والعلماء

ابو محمد مقصود علاء الدین سین

ناظمِ اعلیٰ: مرکز الدعوۃ الاسلامیہ والخیریہ

سونس، کھیڈ، رتنا گری

تاریخ ۱۲ / مارچ ۲۰۲۲ء بروز پیر

عرض مترجم

إن الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا من يهد الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادي له وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمدا عبده ورسوله.

اٗمابعد!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "افْعَلُوا الْخَيْرَ دَهْرَكُمْ، وَتَعَرَّضُوا لِنَفَحَاتِ رَحْمَةِ اللهِ، فَإِنَّ لِلَّهِ نَفَحَاتٍ مِنْ رَحْمَتِهِ يُصِيبُ بِهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ، وَسَلُوا اللهَ أَنْ يَسْتُرَ عَوْرَاتِكُمْ، وَأَنْ يُؤَمِّنَ رَوْعَاتِكُمْ"۔ (الطبرانی الکبیر: ۷۲۰، شعب الایمان: ۱۰۸۴، بروایت انس (الصحیحۃ: ۱۸۹۰))

"اپنی عمر بھر نیکیاں کرتے رہو، اور اللہ کی رحمت وعطا کے حصول کے در پے رہو، یاد رکھو! رحمتوں کی شکل میں اللہ تعالی کے بہت سے فیض ہیں جن سے اپنے جس بندوں کو چاہتا ہے سرفراز کرتا ہے۔ اور اللہ تعالی سے سوال کرو کہ وہ تمہارے عیوب پر پردہ ڈال دے اور خوف وہراس سے تمہیں امن عطا فرمائے"۔

اس حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ اولا۔ ہم خیر کے کاموں پر مداومت کریں۔ ثانیا۔ وہ ایام واوقات جن میں اللہ کی رحمتوں کی ہوائیں چلتی ہیں اور اس کے فیوض وبرکات کی برسات ہوتی ہے ان کا خصوصی اہتمام کریں، تاکہ اللہ کے فیض وعطا سے محروم نہ رہیں، ثالثا۔ اللہ تعالی سے یہ دعا بھی کرتے رہیں کہ ہماری غلطیوں پر پردہ ڈالے اور دنیا وآخرت میں ہمیں امن نصیب فرمائے۔

وہ مواسم واوقات جن میں اللہ کی رحمتوں کی خصوصی بارش ہوتی ہے ان میں سے ایک رمضان المبارک کا مہینہ بھی ہے جس کے شب وروز میں ہروقت اللہ کے فیوض کی خصوصی عطا ہوتی ہے، اس کی مغفرتوں کا سیلاب اٹھتا ہے، رحمتوں کی موسلا دھار بارشیں ہوتی ہیں، جنت کے دروزے کھول دئے جاتے ہیں، جہنم کے تمام دروازے بند کر دئے جاتے ہیں اور جہنم کی طرف دعوت دینے والے شیطانوں کو جکڑ دیا جاتا ہے۔ اسی پر بس نہیں، بلکہ اس ماہ کی ہر رات میں اللہ کا ایک منادی یہ ندا دیتا ہے: **"يَا بَاغِيَ الْخَيْرِ أَقْبِلْ، وَيَا بَاغِيَ الشَّرِّ أَقْصِرْ"** (اے بھلائی کے چاہنے والے! بھلائی کے کام پہ آگے بڑھ، اور اے برائی کے چاہنے والے! اپنی برائی سے رک جا)۔

یہی وجہ ہے کہ اس مبارک مہینے کا ماحول بڑا روحانی ہوجاتا ہے، لوگوں کے دل خیر کی طرف مائل اور شر سے متنفر رہتے ہیں۔ جس کی وجہ سے مسجدیں آباد رہتی ہیں اور ہر طرف سے تلاوت قرآن مجید اور ذکر ودعا کا ماحول دکھائی دیتا ہے۔ لوگ خیر کی باتیں سننا پسند کرتے اور دین سے متعلق سوال کرتے ہیں۔

ایسے موقعے پر ایک امام مسجد اور داعی کی ذمہ داری ہے کہ اس فرصت کو غنیمت سمجھتے ہوئے لوگوں کو شرعی احکام سے متعارف کرائیں، دینی تعلیم سے عموما اور رمضان سے متعلقہ مبنی بر دلیل مسائل سے خصوصا متعارف کرائیں۔

اسی ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے راقم نے عام لوگوں کے سامنے خصوصا اور مساجد کے ائمہ کے سامنے خصوصا اس کتاب کو رکھنا چاہا ہے۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اس کتاب کو لوگوں کے لئے علم نافع کا ذریعہ بنائے۔

یہ کتاب قصیم سعودیہ عرب کے مشہور عالم دین فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن صالح الفوزان حفظہ اللہ کی تالیف کردہ کتاب **"مختصر احادیث رمضان احادیث واحکام"** کا اردو

ترجمہ ہے،جس میں مولف نے رمضاں کے فضائل واحکام سے متعلق ۳۳ حدیثیں ذکر کر کے ان سے متعلقہ مسائل پر محدثین کے انداز میں گفتگو کی ہے اور ہر مسئلے کو دلیل سے جوڑا ہے، اختلافی مسائل میں دلیل کے اعتبار سے قوی قول کو ترجیح دی ہے۔ نیز کتاب میں جنت وجہنم اور توبہ واستغفار سے متعلقہ بعض حدیثیں بھی مذکور ہیں جن کا تعلق ماہ رمضان سے بڑا گہرا ہے۔

یہ کتاب آج سے کئی سال قبل میری نظر سے گزری، کتاب کا اسلوب مجھے پسند آیا اور ایک رمضان میں اسے اپنے یومیہ درس کے طور پر اپنے ہم زبان لوگوں کے سامنے اسی کتاب کو رکھا۔

اسی وقت یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ اس کتاب کو اردو زبان میں بھی آنا چاہئے تا کہ اردو داں طبقہ اور وہاں کے ائمہ وخطباء بھی اس سے مستفید ہوسکیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ کتاب ائمہ مساجد اور اردو زبان میں تالیف شدہ کتابوں پر اعتماد کر کے درس دینے والوں کی ضرورت ہے، کیونکہ روزہ سے متعلق تقریبا وہ تمام مسائل آ گئے ہیں جن سے عام لوگوں کو سابقہ پڑتا ہے۔

ترجمے میں میں نے آسان زبان اور با محاورہ ترجمہ کا اسلوب ضرور استعمال کیا ہے لیکن یہ کوشش رہی ہے کہ مولف کی کسی عبارت یا لفظ کا ترجمہ چھوٹنے نہ پائے۔

یہ کتاب ائمہ مساجد کے لئے اس طرح بھی مفید ہوسکتی ہے کہ اس مبارک ماہ میں کوئی موضوع تیار کرنے کے لئے انہیں کسی خاص بحث وتحقیق کی ضرورت نہیں پڑے گی، بلکہ ایک مختصر درس کے لئے اس کتاب کو سامنے رکھ لینا کافی ہوگا۔

کتاب سے استفادہ کا طریقہ۔ مساجد کے ائمہ اس کتاب سے مستفید ہونے کے لئے دو طریقہ اختیار کر سکتے ہیں۔

اول ۔اس کتاب سے جو سبق پڑھنا چاہیں اسے ایک بار اچھی طرح پڑھ لیں ، پھر حاضرین کے سامنے اس کتاب کو دیکھ کر پڑھیں ۔ جہاں کوئی مشکل عبارت یا مسئلہ ہو اس کی وضاحت کر دیں ۔

اسی طریقے کو سامنے رکھ کر یہ کتاب تیار کی گئی ہے اور سعودیہ عرب کی تقریبا تمام مساجد میں یہی طریقہ رائج ہے ۔اور اس کے بڑے فوائد بھی ہیں ۔

دوم ۔ جو درس دینا ہو، اسے ایک یا دو بار غور سے پڑھیں ، اگر ہو سکے تو یاد دہانی کے لئے بعض ضروری باتیں کسی چھوٹے کاغذ پر نوٹ کر لیں ۔ تا کہ موضوع اچھی طرح سے ذہن نشین ہو جائے ، پھر اسے لوگوں کے سامنے بیان کریں ۔

ہمارے ہند و پاک کے ماحول کے لحاظ سے شاید یہی طریقہ زیادہ مقبول ہو ۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اس کتاب کے ذریعے لوگوں کو فائدہ پہنچائے اور مولف ، مترجم اور ناشر کے لئے اسے ذخیرہ آخرت بنائے ۔ آمین

نیز دین حق اور مسلک سلف کے غیور فرد ہمارے محترم بھائی مقصود علاء الدین سین کو اللہ تعالی اجر جزیل سے نوازے جن کی کوشش سے یہ کتاب قارئین کے ہاتھوں تک پہنچی ہے ۔ اللہ تعالی اخلاص واحتساب کے ساتھ اپنے دین کی خدمت کی مزید توفیق بخشے ۔

مقصود الحسن فیضی ۔ الغاط ، سعودی عرب

مقدمہ

اس اللہ کی حمد وثنا ہے جس نے نیکیوں کے مواقع فراہم کرکے اپنے بندوں پر احسان فرمایا تاکہ انکے گناہوں کو معاف کرکے انھیں بے حساب رحمتوں سے نوازے، [پھر] جسے چاہا ان اوقات کو غنیمت سمجھنے کی توفیق عطا فرمائی تو انہوں نے اسکی اطاعت کی اور اس سے ڈرتے رہے، اور جسے چاہا رسوا کیا تو وہ اسکے حکم کو ضائع کر دئے اور اسکی نافرمانی کرتے رہے۔

ہم اس بات پر اس کی حمد کرتے ہیں اور شکر بیان کرتے ہیں کہ اس نے ہمارے لئے دین کو مکمل کر دیا، ہمارے اوپر اپنی نعمت پوری کر دی، ہمارے لئے اسلام کو بطور دین کے پسند فرمایا، ہمارے لئے نیک اعمال کو مشروع قرار دیا، انکے ادا کرنے کی توفیق بخشی اور اس پر اجر مقرر فرمایا۔

ہم اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ اللہ تعالی کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اسکا کوئی شریک نہیں ہے اور ہم شہادت دیتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں، ان پر اللہ تعالی کی بے شمار رحمتیں اور سلام ہو، انکے آل پر ہو، انکے اصحاب پر اور ان تمام لوگوں پر ہو جو قیامت تک انکی اتباع کرتے رہیں۔

امابعد: روزے کے احکام وآداب کا یہ ایک [مختصر] مجموعہ ہے، جسے ہم نے ان احادیث کی شرح کی طور پر لکھا ہے جنھیں موضوع کی مناسبت سے ہم نے جمع کیا تھا۔ اس شرح میں میں نے درج ذیل امور کا لحاظ رکھا ہے۔

1) اختصار سے کام لیتے ہوئے کسی بھی مسئلہ کے بارے میں ہم نے راجح قول کا

ہی ذکر کیا ہے، اختلافی مسائل اور دلیلوں پر ردوقدح سے پرہیز کیا ہے، الا یہ کہ کہیں اسکی ضرورت محسوس ہو، کیونکہ میری خواہش یہ رہی ہے کہ یہ شرح آسان اور سہل ہو جو مسجد اور خاص کر عصر کے بعد حاضرین پر پڑھی جانے کے مناسب ہو، جیسا کہ ہمارے یہاں مسجد کے اماموں کا عام دستور چلا آ رہا ہے کہ [وہ عصر کے بعد حاضرین جماعت کو کچھ نہ کچھ پڑھ کر سناتے ہیں] اسلئے کہ اپنی محدود معلومات تک ہم نے نہیں دیکھا کہ کوئی ایسی مفید کتاب ہو جسے رمضان میں امام نمازیوں کے سامنے پڑھ سکے، جس طرح کہ [عام دنوں] ریاض الصالحین وغیرہ پڑھی جاتی ہیں۔

2) ہر مسئلے کے اصل مصدر کا حوالہ ہم نے نہیں دیا ہے تاکہ کتاب کا حاشیہ طویل نہ ہو جائے، صرف خاص مسائل اور نقول ہیں جنکا حوالہ دیا ہے۔

3) حدیثوں کی تخریج اصل مصدر کا حوالہ دیکر ہم نے کر دی ہے، اگر وہ حدیث صحیح بخاری وصحیح مسلم یا ان میں سے کسی ایک میں ہے تو انہیں پر اکتفا کیا ہے اور عمومی طور پر انکے ساتھ کسی اور کتاب کا حوالہ نہیں دیا ہے، البتہ اگر وہ حدیث صحیحین کے علاوہ کسی اور کتاب میں ہے تو عموماً ہم نے سنن کے حوالہ پر اکتفا کیا ہے اور کبھی کبھار اس پر کچھ اضافہ سے بھی کام لیا ہے، نیز صحابہ وتابعین سے مروی آثار کا حوالہ اپنی معلومات کے مطابق ہم نے دے دیا ہے۔

اپنی بات ختم کرنے سے قبل مساجد کے اماموں ۔وفقہم اللہ۔ کو اس بات پر بھی متنبہ کرتا چلوں کہ عصر کے بعد حدیث پڑھنے پر [درس دینے پر] مداومت نہیں کرنی چاہیئے تاکہ لوگ اکتا نہ جائیں بلکہ دلچسپی سے سبق کو سنیں چنانچہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ ہمارے اکتا جانے کے خوف سے

نصیحت کرنے میں وقفہ دیتے تھے۔(صحيح البخاری : 68 الإيمان)

اس بارے میں اصل قاعدہ کلیہ یہ کہ لوگوں کی حاجت اور نشاط کو مدنظر رکھا جائے، اوراس بات کا بھی دھیان رکھنا چاہیئے کہ لوگوں کے مسجد سے چلے جانے کے ڈر سے نماز سے سلام پھیرنے دینے کے فورا بعد درس شروع نہ کیا جائے، بلکہ لوگوں کو ذکر واذکار سے فارغ ہونے کا موقعہ دیا جائے، کیونکہ ذکر [درس سے] اہم ہے۔ اوراسلئے بھی کہ ذکر سے فارغ ہونے کے بعد لوگ حدیث کو مکمل طور پر توجہ سے سنیں گے اور اسکا فائدہ بھی ہوگا، اور جتنے لوگ سننے کے لئے باقی رہیں گے وہی کافی ہیں۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ ہمارے اعمال کو اپنے لئے خالص اور اسے نفع بخش بنائے۔ وہ اس پر قادر اور کارساز ہے۔

وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه وسلم

عبداللہ بن صالح الفوزان

پہلی حدیث:

روزہ کی فرضیت اور اس کی حکمتیں

عَنْ عبد الله بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ”بُنِيَ الإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ, وَإِقَامِ الصَّلَاةِ, وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ, وَالْحَجِّ, وَصَوْمِ رَمَضَان“(صحيح البخاري8 الإيمان، صحيح مسلم:16 الإيمان)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے، لا الہ الا اللہ کی گواہی دینا، نماز قائم کرنا، زکاۃ ادا کرنا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔

یہ حدیث اس امر پر دلیل ہے کہ رمضان المبارک کے روزے فرض، اسلام کا ایک رکن اور اس کی عظیم بنیادوں میں سے ایک بنیاد ہیں، اللہ تعالی نے روزہ کو اپنے بندوں پر بڑی عظیم حکمتوں کے پیش نظر فرض کیا ہے، اس کی فرضیت کے پیش نظر بڑے اہم مقاصد ہیں، جس نے ان مقاصد کو جان لیا اس نے جان لیا اور جو نہ جان سکا وہ نہ جان سکا۔

روزہ کی حکمتیں اور اس کے مقاصد:

1. روزہ کی فرضیت کا ایک عظیم حکمت اور بڑا مقصد یہ ہے کہ روزہ اللہ تعالی کی ایک ایسی عبادت ہے جس میں بندہ اپنے رب کی فرمابرداری اور اس کی اطاعت شعاری میں اپنی پسندیدہ ومحبوب چیزوں کو چھوڑ کر اس کا تقرب حاصل کرتا ہے، جس

سے اس کے ایمان کی سچائی، اس کی کمال عبودیت، محبت میں اس کی پختگی اور اللہ کے پاس جو اجر ہے اس کی امید کا اظہار ہوتا ہے، کیونکہ بندہ جانتا ہے کہ مولا و آقا کی رضامندی اسی میں ہے کہ وہ اپنی من پسند چیزوں کو ترک کردے، لہٰذا اس نے اپنی خواہش کو اپنے آقا کی رضامندی پر قربان کردیا، یہی وجہ ہے کہ بہت سے مسلمان اگر انہیں مارا جائے یا جیل میں ڈالا جائے کہ وہ رمضان المبارک کے ایک دن کا روزہ بلا عذر چھوڑ دیں تو وہ ایسا ہرگز نہ کریں گے۔

2. روزہ کی ایک حکمت یہ ہے کہ روزہ تقوی کا سبب اور اللہ کے اوامر کو بجالا کر اور منہیات سے پرہیز کر کے نفس کے تزکیہ کا ذریعہ ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُتِبَ عَلَيۡكُمُ ٱلصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُونَ﴾ [البقرة:183] "اے ایمان والو تمہارے اوپر روزہ فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم متقی بن جاؤ"۔

تقوی دنیا و آخرت کی تمام بھلائیوں کا جامع ہے بلکہ روزے کا ہر ایک فائدہ تقوی کا ہی ایک ثمرہ ہے۔

3. روزے کی ایک حکمت نفس کو شہوات سے باز رکھنا، مرغوب و مالوف چیزوں سے دور کرنا اور کھانا و پینا کم کر کے بندے کے اندر شیطان کی نفوذ گاہ کو بند کرنا ہے، اس طرح روزے کی وجہ سے شیطان کا نفوذ کمزور پڑتا اور گناہ کے کام کم ہوتے ہیں۔

4. روزہ کی ایک حکمت یہ ہے کہ روزہ سے دل صاف ہوتا اور ذکر وفکر کے لئے فارغ ہو جاتا ہے، کیونکہ خواہشات کی پیروی سے دل سخت اور حق سے دور ہوتا ہے،

اور روزہ قلب وقالب کی صحت وقوت کی حفاظت کرتا ہے۔

5. روزہ کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ روزہ رکھنے سے آسودگی وسیرابی کی شکل میں بندے پر کی گئی اللہ کی نعمت کی قدر معلوم ہوتی ہے، کیونکہ بندہ جب روزہ رکھتا ہے اور فقیر ومسکین کے بھوک و پیاس سے جلتے کلیجے کو یاد کرتا ہے تو وہ اللہ کا شکر بجا لاتا ہے، نیز اپنے محتاج ومجبور بھائیوں کی تکلیف کو محسوس کرتا ہے، [سچ ہے] کسی نعمت کی قدر کا احساس اس کے کھو جانے کے بعد ہی ہوتا ہے۔

6. روزے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس میں بہت سے ایسے طبی فائدے ہیں جو کم کھانے سے حاصل ہوتے ہیں، اسی طرح کھانے کے اوقات کا لحاظ رکھنے اور معدہ کو ایک متعینہ مدت کے لئے آرام دینے سے انسانی جسم کے صحت کی حفاظت ہوتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ روزہ کی فرضیت میں عظیم حکمتیں اور اس میں بہت سے عظیم فوائد ہیں، نیز روزہ رکھنے پر اللہ تعالی نے جو بڑا ثواب اور عظیم اجر رکھا ہے اگر روزہ دار اس کا بھی تصور کرلے تو خوشی سے پھولا نہ سمائے اور تمنا کرے کہ کاش کہ پورا سال ہی رمضان رہے۔

اے اللہ ہمیں ہدایت کی پیروی کی توفیق بخش، ہلاکت وبدبختی کے اسباب سے محفوظ رکھ، ہمیں دین کی سمجھ عطا فرما اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر ہمارا خاتمہ ہو، اے اللہ ہمیں بخش دے، ہمارے والدین کی مغفرت فرما اور تمام مسلمانوں کی بھی مغفرت کردے۔ آمین۔

دوسری حدیث:

شرعی روزہ

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: »كل عمل ابن آدم يضاعف الحسنة عشرة أمثالها إلا سبعمائة ضعف قال الله عز وجل إلا الصوم فإنه لي وأنا أجزي به يدع شهوته وطعامه من أجلي..« الحديث. (صحيح البخاري:1894 الصيام، صحيح مسلم:1151 الصيام)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: انسان کا ہر عمل اس کے لئے ہے سوائے روزے کے کہ وہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دونگا، [کیونکہ] روزہ دار اپنا کھانا، پینا اور اپنی جنسی خواہشات کو صرف میرے لئے چھوڑ دیتا ہے۔

شرعی روزہ کیا ہے؟ اس کی وضاحت اس حدیث سے ہوجاتی ہے، یعنی اللہ تبارک وتعالی کی عبادت کی غرض سے، اس کے حکم کی تابعداری میں اوراس کی رضا مندی کے حصول کیلئے کھانا، پانی اور جنسی شہوت کو ترک کردینا۔

[کھانے اور پینے سے کیا مراد ہے؟ اسے تو ہر شخص جانتا ہے، البتہ] شہوت سے مراد" جماع" ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد ہر قسم کی وہ من پسند چیزیں ہوں [جن کا استعمال روزہ کے مقصد کے خلاف ہے،] چنانچہ صحیح ابن خزیمہ میں صحیح سند سے مروی ہیکہ { آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''**يدع الطعام من أجلي**

ويدع الشراب من أجلي ويدع لذته من أجلي ويدع زوجته من أجلي‘‘[1] کھانے کو میری رضا کے لئے چھوڑ دیتا ہے، پانی کو میری رضا کے لئے چھوڑ دیتا ہے، اپنی لذت کو میری رضا کے لئے چھوڑ دیتا ہے اور اپنی بیوی [سے لذت اندوزی] کو میرے لئے چھوڑ دیتا ہے۔

قرآن مجید سے روزے کا وقت معلوم ہوتا ہے ،ارشاد باری تعالی ہے :

﴿وَكُلُوا۟ وَٱشْرَبُوا۟ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ ٱلْخَيْطُ ٱلْأَبْيَضُ مِنَ ٱلْخَيْطِ ٱلْأَسْوَدِ مِنَ ٱلْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا۟ ٱلصِّيَامَ إِلَى ٱلَّيْلِ﴾ [البقرة:187] ’’کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری (رات کی) سیاہ دھاری سے الگ نظر آنے لگے، پھر روزہ (رکھ کر) رات تک پورا کرو...‘‘۔

چنانچہ اللہ تبارک وتعالی نے [غروب آفتاب سے] طلوع فجر تک کھانے پینے کو جائز قرار دیا، پھر حکم دیا کہ رات آنے تک روزہ کو پورا کیا جائے۔اس طرح روزہ کا معنی یہ ہوا کہ اس وقت میں یعنی طلوع فجر اور رات [غروب آفتاب] کے درمیان کے وقفہ میں کھانا اور پینا چھوڑ دینا روزہ کہلاتا ہے۔

کھانے اور پینے سے مراد منہ یا ناک کے ذریعہ [پیٹ میں] کھانا اور پانی پہنچانا ہے خواہ اس کی جو بھی شکل ہو۔

البتہ میڈیکل انجکشن جو مریض کو پٹھے کے ذریعہ دیا جاتا ہے کبھی تو یہ انجکشن دوا کے طور پر دیا جاتا ہے اور کبھی یہی انجکشن غذا کا کام دیتا ہے، اس کا حکم علماء کے نزدیک محل خلاف ہے، بعض اہل علم یہ عام حکم لگاتے ہیں کہ ہر قسم کا انجکشن روزہ توڑ دیتا ہے اور

---

[1] صحیح ابن خزیمہ:1897، ج:3، ص:197۔

بعض کے نزدیک اس بارے میں تفصیل ہے، [اس طرح کہ اگر وہ انجکش غذا کا کام دے رہاہے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے ورنہ نہیں]۔لہٰذا اگر روزہ دار انجکشن لینے کو رات تک ٹال دے تو اسی میں احتیاط ہے، کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''**دع ما يريبك إلى ما لا يريبك**''[1] ''وہ چیز چھوڑ دو جو شک میں ڈالے اور اس چیز کی طرف آو جس میں کوئی شک نہ ہو''۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: »**فمن اتقى الشبهات فقد استبرأ لدينه وعرضه**«[2] "تو جو شبہ والی چیزوں سے بچ گیا اس نے اپنے دین وعزت کو بچالیا"۔

اور جو شخص اس قسم کا انجکشن لینے کا ضرورت مند ہو تو غالبا وہ ایسا مریض ہوتا ہے جس کے لئے افطار کرنا جائز ہے۔ البتہ جہاں تک اس انجکشن کا تعلق ہے جو پیچھے کے راستے سے دست آنے کیلئے دیا جاتا ہے تو بظاہر اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، کیونکہ وہ غذا نہیں ہے، بلکہ پیٹ کی صفائی ہے۔

اسی طرح ضیق تنفس اور دمہ کیلئے لئے گئے اسپرے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، کیونکہ وہ ایک گیس ہے جو معدے تک نہیں پہنچتی، بلکہ سانس کی نالیوں کے ذریعہ پھیپھڑے تک پہنچتی ہے، اسلئے نہ وہ کھانا ہے اور نہ پینا۔

اسی طرح سرمہ اور آنکھ میں ڈالے جانے والے قطرے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا،

---

① سنن الترمذی: 2518، سنن النسائی، ج: 8، ص: 328، مسند احمد، ج: 3، ص: 239، امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

② صحیح البخاری: 52، صحیح الایمان، مسلم: 1599، البیوع۔

خواہ اسکا مزہ حلق میں محسوس ہو یا محسوس نہ ہو۔

البتہ ناک کا قطرہ جب وہ حلق یا معدہ تک پہنچ جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، کیونکہ ناک معدہ تک پہنچنے کا ایک راستہ ہے، چنانچہ حضرت لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: »**وبالغ فی الاستنشاق الا ان تکون صائما**« [1] یعنی وضو کرتے وقت ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ سے کام لو الا یہ کہ تم روزے سے ہو۔

اے اللہ ہمیں دین کی سمجھ عطا فرما، ہمیں دین پر جمے رہنے اور اس کے مطابق عمل کی توفیق بخش اور اس پر ثابت قدم رکھ، ہمارے لئے جنت کو آسان کر اور ہمیں جہنم سے بچا، اور ہمیں دنیا و آخرت میں معاف فرما۔

افطار کی دعا:

بسم اللہ کہہ کر افطار کریں اور

افطاری کے بعد یہ دعا پڑھیں:

''ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوقُ وَثَبَتَ الأَجْرُ''

---

[1] سنن ابو داود: 2366، سنن الترمذی: 788، سنن النسائی، ج: 1، ص: 66، سنن ابن ماجہ، ج: 1، ص: 142، وغیرہ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کیا ہے۔

تیسری حدیث:

روزہ کے فضائل

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: »كل عمل ابن آدم يضاعف الحسنة بعشرة أمثالها إلى سبعمائة ضعف قال الله عز وجل إلا الصوم فإنه لي وأنا أجزي به يدع شهوته وطعامه من أجلي للصائم فرحتان فرحة عند فطره وفرحة عند لقاء ربه ولخلوف فيه أطيب عند الله من ريح المسك« . (صحيح البخاري:1894، صحيح مسلم:1151)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: انسان کے ہر نیک عمل [کے اجر] کو دس گنا سے سات سو گنا تک بڑھایا جاتا ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے کہ مگر روزہ [دیگر اعمال سے مختلف ہے، وہ] میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا، اس لئے کہ بندہ صرف میرے لئے اپنی جنسی خواہشات اور کھانا و پینا چھوڑ دیتا ہے، روزہ دار کے لئے دو خوشی کے موقعے ہیں، ایک افطار کے وقت اور دوسری خوشی اپنے رب سے ملاقات کے وقت ہوگی۔ اور روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالی کے نزدیک کستوری کی خوشبو سے بھی زیادہ پاکیزہ ہے۔

یہ حدیث روزہ کی فضیلت اور اللہ تعالی کے نزدیک اس کے اعلی مقام کی دلیل ہے، اس حدیث میں روزہ کی چار بڑی اہم فضیلتیں بیان ہوئی ہیں۔

1. روزہ داروں کو بلا حساب کے اجر دیا جائے گا۔ چنانچہ تمام نیک اعمال کا اجر

دس گنا سے لیکر سات سو گنا تک بڑھایا جاتا ہے، البتہ روزہ کا اجر اس عدد تک محدود نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالی اسے بہت بڑھا کر دیگا، کیونکہ اصل میں روزہ صبر کا ایک حصہ ہے اور صبر سے متعلق اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّمَا يُوَفَّى ٱلصَّـٰبِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ [الزمر:10] "روزہ داروں کو بلا حساب اجر سے نوازا جائے گا"۔

امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ روزہ داروں کو ان کا اجر ناپ تول کر نہیں دیا جائے گا بلکہ انہیں چلو بھر بھر کر دیا جائے گا۔ تفسیر ابن کثیر۔

2. دوسرے اعمال کو چھوڑ کر اللہ تعالی نے خصوصی طور روزہ کی نسبت اپنی طرف کی ہے۔

ویسے تو اللہ تعالی ہی بہتر جانتا ہے لیکن بظاہر ایسا اس لئے ہے کہ روزہ دن کے پورے حصے کو محیط ہوتا ہے جس میں روزدار اپنی ہر قسم کی خواہشات پوری کرنے سے رکا رہتا ہے، حالانکہ نفس اس کا آرزومند ہوتا ہے، خاص کر گرمی کے دنوں میں جب دن لمبا اور گرمی سخت ہوتی ہے۔

نیز اس لئے بھی کہ روزہ بندہ اور اس کے رب کے درمیان ایک ایسا راز ہے جس پر اللہ تعالی کے علاوہ کسی اور کو اطلاع نہیں ہے اور نہ ہی اس میں ریاء ونمود کا کوئی دخل ہے۔

3. روزہ دار جب اپنے رب سے ملاقات کرے گا تو اپنے روزے سے خوش ہوگا، کیونکہ اس وقت اپنے روزہ کے اجر وثواب کا مشاہدہ کرے گا اور اللہ کی توفیق سے انجام دئے گئے روزے کی قبولیت پر مترتب ہونے والے اجر کو دیکھے گا۔

اور جہاں تک افطار کے وقت خوش ہونے کا تعلق ہے تو اس کا سبب یہ ہے کہ [بندہ

دیکھتا ہے کہ اس کی عبادت مکمل ہوگئی ، اس کی عبات برباد کرنے والی چیزوں سے وہ سلامت رہی اوراب ان چیزوں کے استعمال کی اجازت مل گئی جو جواس کی طبیعت کے موافق ہیں۔

یہ ایسی خوشی ہے جو لائق تعریف ہے، کیونکہ یہ اللہ تعالی کی فرمابرداری اوراس روزہ کے اتمام کی خوشی ہے جس پر بہت بڑے اجر کا وعدہ ہے۔

4. روزدار کے منہ کی بو اللہ تعالی کے نزدیک مشک سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے۔ اس خوشبو کا تعلق قیامت کے دن سے ہے، کیونکہ اعمال کے ثواب اسی دن ظاہر ہونگے، جیسا کہ موضوع سے متعلق ہی ایک حدیث میں ہے کہ: ''**أطيب عند الله يوم القيامة من ريح المسك**''[1] ''[روزہ دار کے منہ کی بو] قیامت کے دن اللہ تعالی کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پسندیدہ ہوگی''۔

یہ بو اگرچہ دنیا میں لوگوں کے سونگھنے میں ناپسندیدہ ہے، لیکن اللہ تبارک وتعالی کے نزدیک مشک سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے، کیونکہ اس کا سبب اللہ تعالی کی فرمابرداری ہے۔

5.روزہ کی ایک اہم فضیلت یہ ہے کہ وہ گناہوں کی مغفرت اورلغزشوں کی معافی کا سبب ہے۔

جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا: ''**مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ**''. (صحیح البخاری: 38، صحیح مسلم: 759)

---

[1] صحیح مسلم: 1151۔

’’جس نے ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے روزہ رکھا تو اس کے تمام ماسبق گناہ بخش دیئے گئے‘‘۔

بظاہر اس سے ہر گناہ کی مغفرت معلوم ہوتی ہے خواہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ، البتہ علماء کا مشہور قول یہی ہے کہ اس سے مراد صرف صغیرہ گناہ ہیں، جیسا کی اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

یہ امر واضح رہے کہ یہ فضیلتیں اسی شخص کو حاصل ہونگی جو اللہ تعالی کے لئے، خلوص نیت کے ساتھ کھانا پینا اور جماع کو چھوڑے گا اور اپنے اعضاء کو گناہوں سے باز رکھے گا۔ یہی شرعی روزہ ہے جس پر یہ اجر عظیم مترتب ہوتا ہے۔ ارشاد نبی ﷺ ہے: ’’**مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَمَلَ بِهِ وَالْجَهْلَ فَلَيْسَ لِلَّهِ حَاجَةٌ أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ**‘‘[1] ’’جو شخص جھوٹ بولنا، اس پر عمل کرنا اور گناہ کے کام نہ چھوڑے تو اللہ تعالی کو اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ یہ اپنا کھانا اور پینا چھوڑے‘‘۔

اے اللہ ہمارے روزے کی حفاظت فرما، اسے ہمارے لئے شفاعت کرنے والا بنا، حالت روزہ میں امور اطاعت پر ہماری مدد فرما اور اپنی نافرمانی کے راستوں سے ہمیں دور رکھ، ہمیں بخش دے، ہمارے والدین کو بخش دے اور تمام مسلمانوں کی مغفرت فرما۔ آمین۔

① صحیح البخاری: 6057 برایت ابوہریرۃ۔

چوتھی حدیث:

رمضان کی بعض فضیلتیں

عن أبي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: »إِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ فُتِّحَتْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَسُلْسِلَتْ الشَّيَاطِينُ« وفي رواية لمسلم: »فُتِحَت بْوَابُ الرَّحمَة« .(صحیح البخاری:1899،صحیح مسلم:1079)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب رمضان کا مہینہ آجاتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کردئے جاتے ہیں، اور شیطان جکڑ دیا جاتے ہیں۔صحیح البخاری وصحیح مسلم۔

صحیح مسلم کی ایک روایت میں" جنت کے دروازوں کے بجائے" رحمت کے دروازوں کا ذکر ہے۔

یہ حدیث رمضان المبارک کی فضیلت اور اس کی عظیم خصوصیت کی دلیل ہے، اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالی نے اسے تمام مہینوں پر فضیلت بخشی اور اسے بعض ایسی خصوصیتوں سے نوازا ہے جو نیک عمل اور نیکی وخیر کے کاموں پر ابھارتی ہیں، جبکہ وہ خصوصیتیں دوسرے مہینوں میں نہیں پائی جاتی۔

اس مہینے میں جنت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کردئے جاتے ہیں۔

ویسے تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے لیکن بظاہر اس کا معنی یہ ہے کہ چونکہ رمضان میں اعمال خیر بکثرت انجام دئے جاتے ہیں، مغفرت اور رضائے الٰہی کے کاموں کی طرف لوگوں کی رغبت زیادہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے زمین میں برائیاں کم ہوجاتی ہیں کیونکہ سرکش شیطانوں کو زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑ دیا جاتا ہے، اور اس لئے بھی کہ مسلمان تلاوت قرآن ، روزہ ، ذکر الٰہی اور نیکی کے ہر کام اور بھلائی کی ہر بات میں مشغول رہتے ہیں۔

اسی طرح بہت سے گنہگاروں کا اللہ کی طرف متوجہ ہونے ، اللہ کے حضور توبہ کرنے ، عبادت کے کاموں کی طرف ان کی رغبت اور اس فضیلت والے ماہ میں مسجدوں میں حاضری کا راز ہمارے سامنے کھل جاتا ہے۔

ممکن ہے جھگڑا ہو شیطان نقصان کا سبب بنے ،لیکن اس کا اثر غیر رمضان کے مقابلے میں رمضان میں ہلکا ہوتا ہے۔

نیز یہ بات روزے کے کمال ونقصان پر بھی منحصر ہے، چنانچہ جس شخص کا روزہ جس قدر کامل ہوگا اور وہ روزہ کے شرائط وآداب جس قدر زیادہ ملحوظ رکھے گا وہ اسی قدر شیطان کے شر سے محفوظ رہے گا، جبکہ ناقص روزے والا اس قدر محفوظ نہ رہ پائے گا۔

نیز یہ بھی واضح رہے کہ شیطان کے جکڑے جانے کا یہ معنی نہیں ہے کہ برائی اور گناہ کے کام کسی سے سرزد ہی نہ ہوں، کیونکہ شیطان کے علاوہ گناہ کے اور بھی اسباب ہوتے ہیں، جیسے نفس کی خباثت، بری عادتیں اور انسانی شیطان۔

اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ حدیث میں شیطان سے مراد سرکش قسم کے شیطان ہوں ، جیسا کہ صحیح ابن خزیمہ کی ایک روایت میں اس کی صراحت ہے، اس طرح جو شیطان

سرکش نہیں ہیں [چونکہ وہ آزاد ہوتے ہیں] لہٰذا ان کا اثر بنی آدم پر رہتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ اس ماہ میں نیکی اور عبادت کی طرف پیش قدمی کریں، طاعت الٰہی کے موسموں سے مستفید ہونے کے لئے اپنے وقت کو ترتیب دیں، انہیں چاہئے کہ رات میں بے مقصد جاگنے سے پرہیز کریں تاکہ دن میں چستی ونشاط محسوس ہو، کیونکہ جب غیر رمضان میں بے مقصد جاگنے سے روکا گیا ہے تو رمضان میں یہ ممانعت اور بھی سنگین ہو جاتی ہے، خاص کر گانے وباجے اور لہو ولعب کے آلات کے ساتھ شب بیداری، اور ایسی بے مقصد مجلسوں میں شب بیداری جن کا فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہوتا ہے۔

اور اس سے بھی بری بات دن میں زیادہ سونا بلکہ فرض نمازوں کے وقت میں سوتے رہنا ہے۔

اے اللہ ہمیں خواب غفلت سے بیدار کر دے، موت سے قبل موت کے لئے تیاری کی توفیق بخش، فرصت کے ایام کے کو غنیمت سمجھنے کی اہمیت دل میں ڈال دے۔ ہمیں، ہمارے والدین اور تمام مسلمانوں کو بخش دے۔

پانچویں حدیث:

قیام رمضان کا بیان

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:"مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ"(صحیح البخاری ۱۹۰۱ الصوم، صحیح مسلم:۷۵۹ المسافرین)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ فرما رہے تھے: جو شخص ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے رمضان کا قیام کرے گا، اللہ تبارک وتعالی اس کے ماسبق گناہوں کو بخش دے گا۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ رمضان میں قیام کی بڑی فضیلت ہے اور یہ کہ رمضان میں قیام گناہوں کی بخشش کا سبب ہے۔

رمضان کے قیام کا معنی تراویح پڑھنا ہے، لہٰذا جس نے ایسی تراویح پڑھی جیسے پڑھنے کا حق ہے تو اس نے رمضان کا قیام کیا۔

واضح رہے کہ اس حدیث میں قیام رمضان [تراویح پڑھنے] پر گناہوں کی مغفرت کو ایمان واحتساب کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے۔

''ایمان'' کا معنی یہ ہے کہ قیام کرنے والا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہو، اللہ کے وعدوں کی تصدیق کرنے والا ہو، قیام رمضان اور اللہ تعالی کے نزدیک اس پر ایک بڑے اجر کو حق مانتا ہو۔

اور"احتساب" کا معنی یہ ہے کہ اس قیام سے اس کا مقصد اللہ تبارک وتعالی سے

ثواب کی امید ہو، ریاء ونمود یا کوئی اور مقصد اس کے پیش نظر نہ ہو۔

نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں قیام رمضان کی رغبت دلاتے، بغیر اس کے کہ آپ اس کے واجب ہونے کا حکم دیں۔ چنانچہ آپ فرماتے: جس شخص نے ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے رمضان کا قیام کیا تو اس کے پچھلے گناہ معاف کردئے جاتے ہیں [1]۔

لہٰذا مسلمان کو چاہئے کہ ایمان کے ساتھ تراویح کی نماز ادا کرنے کی کوشش کرے، اس میں کسی بھی کمی وکوتاہی سے کام نہ لے، اور نہ ہی امام سے پہلے نماز چھوڑ کر واپس ہو، خواہ امام گیارہ یا تیرہ رکعت سے زیادہ ہی کیوں نہ پڑھائے [2]۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ: ''مَنْ قَامَ مَعَ الإِمَامِ حَتَّى يَنْصَرِفَ كُتِبَ لَهُ قِيَامُ لَيْلَةٍ'' [3] ''جو شخص امام کے ساتھ اس کے فارغ ہونے تک قیام کریگا اسے پوری رات قیام کا اجر ملے گا''۔

امام ابوداود رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا گیا اور میں سن رہا تھا کہ کیا تراویح کو موخر کر کے اسے آخری شب میں پڑھنا بہتر نہیں ہے؟ آپ نے

---

① صحیح مسلم: ۷۵۹۔

② اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خواہ رمضان ہو یا غیر رمضان، گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے، آٹھ تراویح اور تین وتر۔ [دیکھئے: صحیح البخاری: ۱۱۴۷، صحیح مسلم: ۷۳۷] لہٰذا اگر کوئی امام مسنون رکعتوں سے زیادہ پڑھ رہا ہو، تو مسنون رکعات پر اکتفا کرنے والے مقتدی کے لئے جائز ہے کہ وہ گھر واپس ہو جائے، اسے ان شاء اللہ پوری رات قیام کا اجر ضرور ملے گا۔ کیونکہ شریعت میں زائد رکعات کی کوئی حد مقرر نہیں، اور نہ ہی اس کا کوئی ثبوت ہے، سو مقتدی کو سنت سے زائد واضافی رکعات کا آخر پابند کیسے بنایا جاسکتا؟ (ناشر)

③ سنن ابوداود: ۱۳۷۵ الصلاۃ۔ الترمذی: ۸۰۶ الصلاۃ، النسائی: ۳/۲۰۳، ابن ماجہ: ۱/۲۲۰، امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

فرمایا: نہیں، مسلمانوں کا طریقہ میرے نزدیک زیادہ محبوب ہے[1] ۔

اور اگر کوئی شخص سحری کے وقت حسب توفیق مزید نماز پڑھنا چاہتا ہے تو اسے اس کی اجازت ہے۔ مگر وہ دوبارہ وتر نہ پڑھے گا، بلکہ اسی وتر پر اکتفا کرے جو امام کے ساتھ {شروع شب میں} پڑھ چکا ہے، کیونکہ حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **''لا وتران في ليلة''**[2] ''ایک ہی شب میں دوبار وتر پڑھنا نہیں ہے''۔

اور جہاں تک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی اس حدیث کا تعلق ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **''اجعلوا آخر صلاتكم بالليل وترا''**[3] ''رات کی اپنی آخری نماز وتر پڑھا کرو''۔

تو یہ اس شخص سے متعلق ہے جو شخص تہجد کی نماز رات کے آخری حصہ میں پڑھنا چاہے اور اول شب میں اس نے وتر نہ پڑھی ہو۔ نیز یہ بھی معلوم رہنا چاہئے کہ یہ حکم واجبی نہیں بلکہ استحباب پر محمول ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آخری شب کی نماز کو وتر پر ختم کرنا واجب نہیں ہے، جس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بسا اوقات آخری شب میں وتر کے بعد بھی دو رکعت نماز پڑھی ہے[4] ۔

---

① مسائل الامام احمد: ۶۲۔

② ابوداود: ۱۴۳۹، الصلاۃ، الترمذی: ۴۷۰ الصلاۃ، النسائی: ۲۹۹ / ۳، احمد: ۲۲۲ / ۲۶، امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

③ صحیح البخاری: ۹۹۸ التہجد، مسلم: ۷۵۱ المسافرین۔

③ صحیح ابن خزیمہ: ۱۵۹ / ۲ میں صحیح سند سے مروی ہے۔

پھر جب نمازی وتر پڑھکر سلام پھیرے تو تین بار آواز سے کہے: ''**سبحان الملک القدوس**'' اور تیسرے مرتبہ اپنی آواز کو کھینچے۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ سے ایسا ثابت ہے[1]۔

اے اللہ! ہمارے دلوں کو خواب غفلت سے بیدار کردے، ہمیں توفیق دے کہ اس دنیا سے روانگی اور موت کو یاد رکھیں، ہمارے دل کو ایمان پر ثابت رکھ، نیک اعمال کی ہمیں توفیق بخش اور ہمیں، ہمارے والدین اور تمام مسلمانوں کو بخش دے۔

① سنن ابو داود: ۱۴۳۰، سنن النسائی: ۳/۲۴۴، سنن ابن ماجہ: ۱۱۷۱، مسند احمد: ۵/۱۳۰ اور یہ حدیث صحیح ہے۔

چھٹی حدیث:

تلاوت قرآن کی فضیلت اور اس کے آداب

عن أَبي أُمَامَةَ الْبَاهِلِيُّ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ، يَقُولُ: اقْرَءُوا الْقُرْآنَ فَإِنَّهُ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيعًا لِأَصْحَابِهِ.(صحیح مسلم:۸۰۴)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قرآن مجید کی تلاوت کرو کیونکہ قیامت کے دن وہ تلاوت کرنے والوں کی شفارش کرے گا۔

یہ حدیث قرآن مجید کی تلاوت کی فضیلت اور اس پر بڑے عظیم ثواب کی دلیل ہے، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن پاک قیامت کے دن قرآن کا اہتمام کرنے والوں کی جنت میں داخلہ کی شفارش کرے گا۔

نیز حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ فرمارہے تھے: قرآن اور قرآن والوں کو جو اس پر عمل کرتے تھے قیامت کے دن لایا جائے گا سورۃ بقرہ اور آل عمران انکے پیش پیش ہونگی. حضرت نواس بن سمعان بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں سورتوں کی تین مثالیں بیان کی ہیں جنھیں میں ابھی تک نہیں بھولا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: گویا کہ وہ بادل کے دو ٹکڑے ہیں یا سیاہ رنگ کے دو سائبان ہیں جن میں نور کی چمک ہے، یا صف بستہ پرندوں کے دو جھنڈ ہیں جو اپنے سے تعلق رکھنے والوں کی طرف سے دفاع کر رہی ہوں گی [1]۔

لہٰذا روزہ دار کو چاہئے کہ وہ ان مبارک دنوں اور پاک راتوں میں کثرت سے

① صحیح مسلم:805۔

قرآن مجید کی تلاوت کرے، کیونکہ رمضان المبارک میں کثرت تلاوت کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے جو کسی دوسرے مہینہ میں نہیں ہے، تا کہ روزہ دار اس مبارک ماہ میں اس زمانے کے شرف وفضل کو حاصل کر سکے جس میں قرآن مجید نازل ہوا ہے۔

نیز رمضان المبارک کی راتوں میں تلاوت قرآن کی ایک امتیازی شان ہے کیونکہ رات کے وقت دنیاوی امور کی مشغولیت ختم ہو جاتی ہے، خیالات پراگندہ نہیں رہتے اور دل وزبان قرآن میں غور کرنے پر مجتمع ہوتے ہیں۔ اللہ المستعان۔

حافظ ابن رجب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ تین دن سے کم میں قرآن ختم کرنے کی جو ممانعت وارد ہے اس کا تعلق اس عمل پر مداوت سے ہے، البتہ افضل اوقات میں جیسے ماہ رمضان، خاص کر وہ راتیں جن میں شب قدر کو تلاش کیا جاتا ہے، یا افضل ومبارک جگہوں میں جیسے مکہ مکرمہ، خصوصا ان لوگوں کے لئے جو وہاں کے باشندے نہیں ہیں، ایسے تمام موقعوں پر زمان ومکان کی فضیلت کو غنیمت سمجھتے ہوئے قرآن مجید کی بکثرت تلاوت کرنی چاہئے [اس کی ممانعت وارد نہیں ہے]۔

امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راھویہ رحمہما اللہ وغیرہ کا یہی مسلک ہے، نیز بہت سے دوسرے اہل علم کا عمل بھی اس پر دلالت کرتا ہے، جیسا کہ اسکا ذکر پہلے آچکا ہے۔ دیکھئے لطائف المعارف: ۲۰۲، ۲۰۱۔

قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے کو چاہئے کہ تلاوت کرتے وقت ان آداب کو ملحوظ رکھے جن کا لحاظ رکھنا ایک قاری قرآن کی شایان شان ہے، جیسے اللہ کے لئے اخلاص نیت، نیز باوضو اور مسواک کر کے تلاوت کرنا۔ کیونکہ یہ چیزیں کلام الٰہی کے تعظیم میں داخل ہیں۔

اسی طرح نیز اسے چاہئے کہ جو کچھ پڑھ رہا ہے اس میں غور وتدبر سے بھی کام لے۔ کیونکہ قرآن کے نزول کا مقصد ومطلوب یہی ہے۔

آداب تلاوت میں یہ بھی داخل ہے کہ قرآن پڑھنے والا جب آیت سجدہ پر سے گزرے اور وہ باوضو ہو تو خواہ وہ وقت کوئی بھی وقت ہو سجدہ کرے [1]۔

اسے چاہئے کہ قرآن کو اس قدر بلند آواز سے نہ پڑھے جس سے پاس پڑوس والوں کو تکلیف پہنچے۔ چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں اعتکاف فرماتے تھے، آپ نے سنا کہ لوگ بلند آواز سے تلاوت کر رہے ہیں، اس وقت آپ اپنے خیمے میں تھے آپ نے پردہ اٹھایا اور فرمایا: "لوگو! سنو تم سبھی لوگ اللہ تعالی سے محو گفتگو ہو، تو ایسا نہ ہو کہ ایک دوسرے کو تکلیف دو، لہٰذا قرآن پڑھتے ہوئے یا نماز میں قرآن پڑھتے ہوئے ایک دوسرے پر اپنی آوازیں بلند نہ کرو" [2]۔

اے اللہ! قرآن مجید کو ہمارے دلوں کی بہار بنا، ہمارے سینوں کا نور بنا، ہمارے غموں کو کاٹنے والا بنا، ہمارے ہموم کو دور کرنے والا بنا، اور تو اسے اپنی طرف اور اپنی جنت کی طرف ہمارے لئے رہنما بنا۔ اے اللہ! اس میں سے جو کچھ میں بھول جاوں اسے یاد دلا دے، جو نہ جان سکوں اس کا علم دے دے اور اپنی رضا ومحبت کے مطابق اس کی تلاوت کی توفیق عطا فرما۔

---

① سجدۂ تلاوت کے لئے باوضو ہونا بلا شبہ افضل و بہتر ہے، مگر شرط نہیں، کیونکہ اس سلسلہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ بھی ثابت نہیں، اور صحابی رسول ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جو ثابت ہے وہ یہ کہ آپ بلا وضو سجدۂ تلاوت کرلیا کرتے۔ اور یہی محققین علماء کا موقف ہے، جیسے: امام بخاری، ابن حزم، ابن تیمیہ، صنعانی، شوکانی، ابن باز اور ابن عثیمین رحمہم اللہ وغیرہ۔ واللہ اعلم (ناشر)

② سنن ابوداود: ۱۳۳۲، النسائی الکبری: ۸۰۳۸، علامہ البانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس حدیث کی سند صحیحین کی شرط پر ہے، الصحیحۃ ۴/۱۲۴۔

ساتویں حدیث:

قرآن کے مطابق عمل کا وجوب

عن أبي مالک الأشعري رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ "الْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَكَ أَوْ عَلَيْكَ". (صحیح مسلم: ۲۲۳)[1]

حضرت ابو مالک الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: قرآن تیرے لئے حجت ہے یا پھر تیرے خلاف حجت ہے۔

یہ حدیث اس امر پر دلیل ہے کہ قرآن کے مطابق عمل کرنا واجب اور اس کے اوامر ونواہی کی پابندی لازمی ہے۔ نیز یہ کہ جو شخص قرآن کے مطابق عمل کرتا اور اس میں موجود ہدایت کی پیروی کرتا ہے قرآن اس کے لئے حجت بنے گا، برخلاف اس شخص کے جو قرآن کے مطابق عمل نہیں کرتا اور نہ ہی اس کی تعلیمات کی پیروی کرتا ہے تو یہی قرآن اس کے خلاف حجت بنے گا۔

کسی بزرگ کا قول ہے کہ جو شخص بھی قرآن کا ساتھ اختیار کرے گا وہ خالی ہاتھ واپس نہ ہوگا، یا تو فائدہ لیکر اٹھے گا، یا پھر خسارہ حاصل کرکے۔ پھر اس بزرگ نے بطور دلیل یہ آیت تلاوت کی: ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ ٱلْقُرْءَانِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ وَلَا يَزِيدُ ٱلظَّٰلِمِينَ إِلَّا خَسَارًا﴾ [الاسراء:82][2]

''یہ قرآن جو ہم نازل کررہے ہیں مومنوں کے لئے تو سراسر شفا اور رحمت ہے، ہاں

---

[1] مکمل حدیث صحیح مسلم میں دیکھئے اصل متن میں سہوا حضرت ابو مالک کے بجائے ابو موسی چھپ گیا ہے۔

[2] جامع العلوم والحکم شرح حدیث ۲۳۔

ظالموں کو بجز نقصان کے اور کوئی زیادتی نہیں ہوتی''۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن مجید کے نزول کا عظیم مقصد اس میں دی گئی خبروں کی تصدیق، مامورات کی پابندی اور منہیات سے پرہیز کرتے ہوئے اس پر عمل کرنا ہے، اس کے نزول کا مقصد صرف لفظی تلاوت نہیں ہے۔

لفظی تلاوت سے مراد وہ صحیح تلاوت ہے کہ قرآن پڑھنے والا تلاوت کرتے وقت اللہ تعالی کی تعظیم اور اس کے کلام کے ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے خود بھی عمدہ صفات سے متصف اور بہترین خصال کا حامل ہو، کیونکہ یہ تلاوت یعنی لفظی تلاوت بھی اگرچہ مطلوب ہے لیکن اس کے علاوہ ایک ایسی حکمی تلاوت بھی ہے جس پر بندے کی سعادتمندی اور کامیابی کا دارومدار ہے اور وہ ہے قرآن مجید کی پیروی۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ جب: ﴿ٱلَّذِينَ ءَاتَيۡنَٰهُمُ ٱلۡكِتَٰبَ يَتۡلُونَهُۥ حَقَّ تِلَاوَتِهِۦٓ﴾ [البقرة:١٢١] جیسے مقامات میں لفظ تلاوت آتا ہے تو اس میں قرآن مجید کے مطابق عمل کرنا بھی شامل ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تلاوت قرآن کا حق یہ ہے اس کی حلال کردہ چیزوں کو حلال مانا جائے، اس میں حرام امور کو حرام ٹھہرایا جائے اور بعینہ ویسے ہی پڑھا جائے جیسے اللہ تعالی نے نازل فرمایا ہے، کلمات کو ان کی جگہوں سے پھیرا نہ جائے اور صحیح تفسیر کے خلاف اس کی کوئی اور تفسیر نہ کی جائے۔ ①

حضرت مجاھد رحمہ اللہ" یتلونہ حق تلاوتہ" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ

① تفسیر الطبری ۲/۵٦۷ تحقیق احمد شاکر، تفسیر ابن کثیر ۲۳۵/۱، مجموع الفتاوی ۱۱۷/۷۔

ہے کہ وہ لوگ اس قرآن کے احکام کی ایسی پیروی کرتے ہیں جیسا کہ پیروی کرنے کا حق ہے۔

اس امت کے بزرگوں کی روش بھی یہی رہی ہے، چنانچہ انہوں نے قرآن مجید کو سیکھا، اس کی تصدیق کی اور اپنی زندگی کے ہر میدان میں اس کے مطابق عمل کیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم میں کا ایک شخص جب دس آیتیں سیکھ لیتا تھا تو اس سے آگے اس وقت تک نہیں بڑھتا تھا جب تک ان کا مفہوم اور ان کے مطابق عمل کو بھی نہ سیکھ لے۔ ①

تابعین میں سے ایک بڑے بزرگ حضرت ابو عبدالرحمن السلمی نے بھی ایسا ہی فرمایا ہے۔ ②

اسلئے قرآن کے پڑھنے والے اور اس کے حافظ کو چاہئے کہ وہ اپنے بارے میں اللہ تعالی سے ڈرے، اپنی تلاوت قرآن میں اخلاص کو مدنظر رکھے، اس کے مطابق عمل کرے، قرآن کی مخالفت اور اس کے احکام وآداب سے اعراض کرنے سے پرہیز کرے، تاکہ اس پر وہ وعید چسپاں نہ ہو جو یہودیوں کے بارے میں وارد ہے کہ:

﴿مَثَلُ ٱلَّذِينَ حُمِّلُواْ ٱلتَّوۡرَىٰةَ ثُمَّ لَمۡ يَحۡمِلُوهَا كَمَثَلِ ٱلۡحِمَارِ يَحۡمِلُ أَسۡفَارَۢا﴾ [الجمعۃ:۵] "جن لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا پھر ان لوگوں نے اس پر عمل نہیں کیا ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہو"۔

اے اللہ تعالی ہمیں اپنی کتاب کی تلاوت کی ویسی توفیق بخش جس سے تو راضی

---

① تفسیر ابن جریر ۸۰/ ۱، مستدرک الحاکم ۵۵۷/ ۱ امام حاکم نے اس اثر کی سند کو صحیح بتلایا ہے۔

② مصنف ابن ابی شیبہ ۴۶۰/ ۱۰، ابن جریر ۸۰/ ۱ علامہ احمد شاکر لکھتے ہیں کہ اس اثر کی سند صحیح و متصل ہے۔

ہو۔اے اللہ ہمیں ان لوگوں میں بنا جو قرآن کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام ٹھہراتے ہیں۔اس کی محکم آیات کے مطابق عمل کرتے ہیں، اس کے متشابہات پر ایمان لاتے ہیں، اس کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں۔اور ہمیں بخش دے، ہمارے والدین کو بخش دے اور تمام مسلمانوں کو بخش دے۔

آٹھویں حدیث:

جود وسخا پر ترغیب

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: »كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْوَدَ النَّاسِ، وَكَانَ أَجْوَدُ مَا يَكُونُ فِي رَمَضَانَ حِينَ يَلْقَاهُ جِبْرِيلُ، وَكَانَ يَلْقَاهُ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ فَيُدَارِسُهُ الْقُرْآنَ، فَلَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْوَدُ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ« {صحیح البخاری: ۶ بدء الوحی، صحیح مسلم: ۲۳۰۶ الفضائل}

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ جواد یعنی سخی تھے اور رمضان المبارک کے مہینہ میں جب حضرت جبریل امین آپ سے ملتے تو آپ کا جود وسخا بہت ترقی کر جاتا تھا، اور حضرت جبریل امین رمضان المبارک کی ہر شب کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملتے اور آپ کے ساتھ قرآن مجید کا دور کرتے، اس وقت تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بخشش میں تیز ہوا سے بھی زیادہ سخی ہو جاتے۔

اس حدیث میں ہر وقت جود وسخا پر ابھارا گیا ہے، خاص کر رمضان میں تو اس میں مزید اضافہ ہونا چاہئے، کیونکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جود وسخا بیان کی ہے اور یہ بھی بتلایا کہ رمضان المبارک میں آپ کا جود وسخا باقی دنوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ بڑھ جاتا تھا، پھر اسی پر بس نہیں کیا بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخاوت کو تیز اور آزاد ہوا سے تشبیہ دی۔ جس کا معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخاوت

میں تیز اور برابر چلنے والی ہوا سے بھی بڑھ کر تھے۔

تیز اور آزاد ہوا کے لفظ کے استعمال سے اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح تیز ہوا ہر اس چیز کو پہنچتی ہے جہاں چلتی ہے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخاوت کا فائدہ بالکل عام ہوتا تھا۔

حدیث میں لفظ "جود" استعمال ہوا ہے جسکا معنی بخشش میں وسعت و کثرت ہے، اس میں صدقہ وخیرات اور نیکی واحسان کرنے کی تمام صورتیں داخل ہیں۔

نیز اس حدیث سے یہ بھی فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ جود وسخا کا اہتمام تو ہر وقت ہونا چاہیئے، البتہ رمضان میں اس کے اندر مزید اضافہ ہوجانا چاہیئے، کیونکہ رمضان المبارک میں جود وسخا کی شان عظیم ہے اور اسکا فائدہ بہت زیادہ ہے۔

لہٰذا بندے کو چاہیئے کہ اپنے نبی دصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی میں صدقہ وخیرات کا اہتمام کرے تا کہ فقراء ومساکین کی دلجوئی، پڑوسیوں کی خبر گیری اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی ہو سکے۔ نیز چاہیئے کہ دوسرے خیر کے کاموں میں بھی خرچ کرتا رہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا فرمان ہے کہ مجھے یہ پسند ہے کہ آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی میں رمضان المبارک کے مہینہ میں خوب صدقہ وخیرات کرے، اور اس لئے بھی کہ اس مہینہ میں اپنی ضروریات پورا کرنے کے لوگ زیادہ حاجت مند ہوتے ہیں، اور بہت سے لوگ روزہ ونماز میں مشغولیت کی وجہ سے کسب عیش کیلئے فرصت نہیں پاتے۔[1]

شاید انسان کے اندر موجود خرچ کے جذبے کو یہ نکتہ بھی ابھارتا ہے کہ روزہ رکھ کر وہ

[1] معرفۃ السنن والآثار ۳۸۲۔

اپنے اوپر اللہ تعالی کی اس نعمت کو یاد کرتا ہے جو اللہ تعالی نے اس کے لئے ہر اس جائز چیز کو میسر کر دیا ہے جسے وہ پسند کرتا ہے، جبکہ اس کے بہت سے فقیر ومحتاج بھائی ایسے ہیں جنھیں ضرورت کی چیز بھی میسر نہیں ہے۔ لہٰذا اسے چاہئے کہ صدقہ واحسان کرتے ہوئے خرچ کرے۔

نیز روزہ رکھنا اور کھانا کھلانا ایسی عبادتیں ہیں کہ اگر ان کے ساتھ قیام اللیل کا اہتمام کر لیا جائے تو گناہوں کی معافی اور جہنم سے نجات کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔

چنانچہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

''**أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى أَبْوَابِ الخَيْرِ: الصَّوْمُ جُنَّةٌ، وَالصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الخَطِيئَةَ كَمَا يُطْفِئُ الْمَاءُ النَّارَ، وَصَلَاةُ الرَّجُلِ فِي جَوْفِ اللَّيْلِ ثم تلا** ﴿تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ ٱلْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿١٦﴾ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ﴾ [السجدة:١٦-١٧]''۔[1]

کیا تجھے میں خیر و بھلائی کے دروازے نہ بتلاوں؟ روزہ ڈھال ہے، صدقہ گناہوں کو ایسے ہی مٹا دیتا ہے جیسے پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اور رات میں بندے کا نماز پڑھنا۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرما: ﴿تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ ....يَعْمَلُونَ﴾ [السجدة:١٦-١٧]۔

اس امت کے سلف صالحین رمضان میں لوگوں کو کھانا کھلانے اور افطار کرانے پر بڑے حریص رہا کرتے تھے، بلکہ بعض بزرگ تو ایسے بھی گزرے ہیں جو خود روزہ رکھکر

---

[1] الترمذی:٣٠٨/٤،ابن ماجہ:٨٦/١۔

اپنے افطاری کا کھانا صدقہ کر دیتے تھے۔ ان میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، داود طائی، مالک بن دینار اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا نام آتا ہے۔

رمضان المبارک میں صدقہ کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ کھانا تیار کر کے حاجت مند گھروں تک پہنچا دیا جائے، یا انھیں بلا کر کھلا دیا جائے، اور اگر کوئی شخص اس سے ہٹ کر کسی اور طرح دینا چاہے جو فقیر کے لئے زیادہ مفید ہو تو یہ اور بہتر ہے۔ جیسے نقدی رقم دے دی جائے، یا کپڑے خرید کر دے دئے جائیں، یا کھانے کی چیزیں دے دی جائیں جس سے حاجت مند فائدہ اٹھاتے اور تھوڑا تھوڑا اس سے مستفید ہوتے رہے۔ کیونکہ اصل مقصد صدقہ دینے والے کا مستفید ہونا اور فقیر کو فائدہ پہنچانا ہے۔ لہٰذا اسے چاہئے کہ ایسے طریقوں کے اختیار میں حریص رہے جو اس مقصد کو پورا کر رہے ہوں، اللہ خیر و بھلائی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

اے اللہ ہمارے دلوں کو نفاق سے پاک کر دے، ہمارے اعمال کو ریا سے پاک کر دے، ہماری زبان کو جھوٹ سے پاک کر دے، ہماری آنکھوں کو خیانت سے پاک کر دے، کیونکہ تو آنکھوں کی خیانت اور دلوں میں پوشیدہ باتوں کو خوب جانتا ہے۔

اے اللہ تعالی ہمیں معاف کر دے، ہمارے والدین کو معاف کر دے اور تمام مسلمانوں کو بخش دے۔

نوویں حدیث:

بھول کر کھانے کا حکم

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "من أَكَلَ أَوَشَرِبَ ناسيا، فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ، فَإِنَّمَا أَطْعَمَهُ اللَّهُ وَسَقَاهُ". {صحیح البخاری: ۱۹۳۳الصوم،صحیح مسلم: ۱۱۵۵،الصوم}

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بھول کر کھا پی لے اسے چاہئے کہ وہ اپنا روزہ پورا کرے، اس لئے کہ اللہ تعالی نے اسے کھلایا پلایا ہے۔

یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ جو شخص بھول کر کھا پی لیتا ہے اس کا روزہ صحیح ہے اور اس سے روزے میں کسی بھی قسم کی کمی واقع نہیں ہوتی، اور نہ ہی اس پر کوئی گناہ ہوتا ہے، اس لئے کہ اس بارے میں نہ تو اسکا کوئی قصد تھا اور نہ ہی ارادہ، بلکہ وہ ایک روزی ہے جسے اللہ تعالی نے اس تک پہنچا دیا ہے۔ اسی لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے کھلانے اور پلانے کی نسبت اللہ تبارک وتعالی کی طرف کی ہے۔ اور بعض روایت میں آیا ہے کہ: "فإنما هو رزق ساقه الله إليه" "اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ ایک روزی ہے جسے اللہ تعالی نے اس تک پہنچا دیا ہے"۔

اور جس فعل کی نسبت اللہ تعالی کی طرف ہو اس پر بندے سے کوئی مواخذہ نہیں ہوتا، کیونکہ بندے کو اس بات سے روکا گیا ہے کہ وہ عمدا کوئی {ممنوع} کام کرے۔ البتہ وہ کام جو بندے کے اختیار میں نہیں ہے وہ اسے مکلف بنانے کے تحت نہیں آتا

ہے۔

اور یہ بھی واضح رہے کہ اس حدیث کے عموم سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کم یا زیادہ کھانے میں کوئی فرق نہیں ہے۔

نیز ایسے شخص پر اس روزے کی قضا بھی نہیں ہے، کیونکہ حدیث میں اسے دن کا باقی حصہ روزہ پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور جس مدت کو پورا کر رہا ہے اسے روزہ کا نام دیا ہے۔ جو اس بات کی دلیل ہے ایسا شخص حقیقی روزہ دار ہے۔

کھانے اور پینے پر روزہ توڑنے والی دوسری چیزوں کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے، جس کی دلیل حضرت ابوسلمہ بن عبد الرحمن رحمہ اللہ کی وہ حدیث ہے جسے وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے رمضان میں بھول کر افطار کر دیا {یعنی روزوں کے منافی کوئی کام کر دیا} تو اس پر قضا ہے نہ کفارہ''۔ ①

البتہ حدیث میں جو کھانے اور پینے کا جو خصوصی ذکر ہے تو اس کی وجہ عام حالات کے پیش نظر ہے، اور جب کسی چیز کو عمومی حالات سے خاص کیا جاتا ہے تو وہ مفہوم {مخالف} کا مقتضی نہیں ہوتا۔ {یعنی عام طور پر روزہ کی حالت میں لوگ بھول کر کھاتے پیتے ہی ہیں اور دوسرے کام جو روزہ کے منافی ہوتے ہیں انکا ارتکاب کم ہی کرتے ہیں،} اس لئے وہ مذکور چیزوں کے علاوہ چیزوں سے اس حکم کے نفی پر دلیل نہیں بنتا۔

---

① صحیح ابن حبان ۲۸۷ / ۸، مستدرک الحاکم ۴۳۰ / ۱ امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے امام مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے، حافظ الذھبی رحمہ اللہ نے سکوت اختیار کیا ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بلوغ المرام میں اس حدیث کو صحیح بتلایا ہے۔ دیکھئے سبل السلام ۳۱۷ / ۲، ارواء الغلیل ۸۷ / ۴۔

روزہ دار سے متعلق یہ حکم اس عظیم اور عام شرعی قاعدہ کی مثالوں میں سے ایک مثال ہے جو اس فرمان الہی سے ماخوذ ہے کہ: ﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ إِن نَّسِينَآ أَوْ أَخْطَأْنَا﴾ [البقرة:٢٨٦] "میرے رب اگر ہم غلطی کریں یا بھول جائیں تو اس پر ہماری گرفت نہ کی جئے گا"۔ چناچہ صحیح حدیث میں مروی ہے کہ اللہ تعالی بندے کی اس دعا کے جواب میں فرماتا ہے: "ہم نے ایسے ہی کر دیا"۔

ایک اور روایت میں ہے کہ اللہ تعالی نے فرمایا: ہاں، ایسا ہی ہے۔ ①

یہ حکم اللہ تعالی کی اپنے بندوں کے ساتھ بڑی مہربانی، ان کے ساتھ ایک آسانی ہے اور ان پر سے مشقت و پریشانی کو دور کرنے کا ایک مظہر ہے۔

اگر کوئی شخص کسی روزہ دار کو رمضان میں دن کے وقت بھول کر کھاتے یا پیتے دیکھتا ہے تو اس پر واجب ہے کہ اسے بتلائے اور یاد دلائے، اس لئے کہ امر بالمعروف اور نھی عن المنکر کا تقاضا یہی ہے، کیونکہ رمضان کے مہینہ میں کھانا اور پینا ایک برائی ہے اور بھولنے والا شخص معذور ہے، اس لئے واجب ہے کہ فورا اسے بتلایا جائے۔

اسی طرح جس شخص نے غسل کیا یا کلی کی یا ناک میں پانی ڈالا اور بلا ارادہ پانی حلق میں داخل ہو گیا تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوا۔ اسی طرح مکھی اڑ کر، یا راستے کا غبار اور آٹا وغیرہ اڑ کر بلا ارادہ {حلق میں داخل ہو جائے} تو اس سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا، کیونکہ ایسی چیزوں سے پرہیز مشکل ہے، نیز اس لئے بھی کہ اس میں نہ قصد پایا جا رہا ہے اور نہ کسی قسم کا ارادہ ہے۔ لہذا ایسا شخص غیر مختار ہونے کی وجہ سے بھولنے والے

---

① صحیح مسلم: ۱۹۹، ۲۰۰ الایمان بروایت ابن عباس و ابو ھریرۃ یہ حدیث ان دونوں صحابہ پر موقوف ہے لیکن حکم میں مرفوع حدیث کے ہے۔ دیکھئے ارواء الغلیل ۱۲۴/۱۔

کے حکم میں ہے۔

اے اللہ ہمیں اپنی رضا کے مطابق عمل کرنے کی توفیق بخش، اپنی نافرمانی سے محفوظ رکھ، ہمارا شمار اپنے نیک بندوں اور کامیاب جماعت میں کر، ہمیں معاف کر دے، ہمارے روزے قبول فرما، ہمیں بخش دے، ہمارے والدین کو بخش دے اور تمام مسلمانوں بخش دے۔

دسویں حدیث:

سحری کا حکم اور اسکی برکت

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: » تَسَحَّرُوا، فَإِنَّ فِي السُّحُورِ بَرَكَةً« ۔{صحیح البخاری: ۱۹۲۲الصوم، صحیح مسلم: ۱۰۹۵الصوم}

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سحری کھایا کرو کیونکہ سحری کھانا باعث برکت ہے''۔

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ روزہ دار کو سحری کھانے کا حکم ہے، کیونکہ سحری میں بہت زیادہ خیر اور بڑی عظیم دینی و دنیوی برکتیں پوشیدہ ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا برکت کے ذکر کا مقصد بھی یہی ہے سحری کھانے پر ترغیب ہو اور اس کا جذبہ پیدا ہو۔

سحری اس کھانے کو کہتے ہیں جو رات کے آخری حصے اور یعنی سحر کے وقت کھایا جاتا ہے۔

اس حدیث میں سحری کھانے کا حکم باتفاق علماء وجوبی نہیں بلکہ بطور استحباب ہے، اس کے [واجب نہ ہونے کی] دلیل یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے روزے میں وصال کیا ہے۔

''وصال'' بغیر افطار کئے دو یا اس سے زیادہ دنوں کا پے در پے روزہ رکھنا ہے۔

{اب اگر سحری کھانا واجب ہوتا تو وصال کا روزہ جائز نہ ہوتا}۔

سحری کے کھانے میں بڑی عظیم برکتیں ہیں جو دنیا و آخرت کے متعدد فائدوں پر

مشتمل ہیں۔

۱) سحری کھانے کی ایک برکت یہ ہے کہ سحری کھانے سے عبادت {روزہ} پر قوت حاصل ہوتی ہے، اور دن میں اللہ تعالی کی اطاعت جیسے نماز، قراءت قرآن اور ذکر میں مدد ملتی ہے، اس لئے کہ بھوکا جس طرح اپنے یومیہ کاموں میں سستی محسوس کرتا ہے اسی طرح عبادت کے کام میں اسے سستی کا احساس ہوتا ہے۔ یہ ایسی چیز ہے جسے ہر شخص محسوس کرتا ہے۔

۲) سحری کھانے کی ایک برکت یہ بھی ہے کہ سحری کھانے سے مزید روزہ رکھنے کی رغبت پیدا ہوتی ہے، کیونکہ سحری کھانے سے روزہ رکھنے میں تکلیف کم ہوتی ہے، اس طرح روزہ رکھنے کی مزید خواہش پیدا ہوگی اور وہ روزہ سے تنگ دل نہ ہوگا۔

۳) سحری کھانے کی ایک برکت سنت کی پیروی ہے، کیونکہ سحری کھانے والا اگر اپنے اس عمل سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی اور آپ کے حکم کی تعمیل کی نیت رکھتا ہے تو اس کا سحری کھانا عبادت بن جاتا ہے، اس طرح بھی وہ اپنی اس نیت پر اجر وثواب کا مستحق ٹھہرے گا۔ اور اگر روزہ دار سحری کھانے، پینے سے روزہ وقیام پر قوت حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو اس پر بھی اسے ثواب ملے گا۔

۴) سحری کھانے کی ایک برکت یہ بھی ہے انسان اسی بہانے رات کے آخری حصے میں ذکر ودعا اور نماز کے لئے بیدار ہو جاتا ہے، اور یہ وقت دعا کی قبولیت کا ہے۔

۵) سحری کھانے کی ایک برکت یہ بھی ہے کہ اس میں اہل کتاب کی مخالفت ہے۔ اور مسلمانوں سے یہ مطالبہ ہے کہ وہ ان کی مشابہت سے بچتے رہیں، چنانچہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ: ”**فصل ما بين صيامنا وصيام أهل**

الكتاب أكلة السحر ''[1] ''ہمارے روزوں اور اہل کتاب کے روزوں میں فرق کرنے والی چیز سحری کھانا ہے''۔

٦) سحری کھانے کی ایک برکت نماز فجر کو اس کے افضل وقت میں پڑھنا بھی ہے۔ اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ دوسرے مہینوں کے مقابلہ میں رمضان المبارک کے اندر فجر کی نماز میں نمازیوں کی تعداد زیادہ رہتی ہے۔

[یاد رہے کہ] سحری کھانے کا مقصد معمولی کھانے اور پینے سے بھی حاصل ہو جاتا ہے، سحری کسی خاص قسم کے کھانے کے لئے خاص نہیں ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''**نعم سحور المومن التمر**''[2] ''مومن کے لئے سحری کا بہترین کھانا کھجور ہے''۔

روزہ کے آداب میں یہ بھی داخل ہے کہ روزہ دار سحری کھانے میں اسراف سے کام نہ لے کہ کھانے سے اپنے پیٹ کو خوب بھر لے، بلکہ ایک معقول مقدار میں کھائے۔ اس لئے کہ آدمی اپنے پیٹ سے برا کوئی برتن نہیں بھرتا ہے۔ اور جب سحری کے وقت خوب آسودہ ہوگا تو ظہر کے قریب تک اپنے وقت سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا پائے گا، کیونکہ زیادہ کھانا کاہلی اور کوتاہی کا سبب بنتا ہے۔ آپ ﷺ کے فرمان ''**نعم سحور المومن التمر**'' [یعنی کھجور مومن کی بہترین سحری ہے] اس میں اسی طرف

---

① صحیح مسلم: ١٠٩٦ الصوم۔

② سنن ابی داود: ٢٣٤٥، صحیح ابن حبان: ٨/٢٥٢، سنن کبری للبیهقی: ٤/٢٣٦ اس حدیث کی سند میں ایک راوی محمد بن موسی الفطری متکلم فیہ ہے، ائمہ شان کی ایک جماعت نے انکی توثیق کی ہے حافظ ابن حجر نے تقریب میں ان سے متعلق لکھا ہے کہ وہ صدوق ہیں، انھیں شیعی کہا گیا ہے۔

اشارہ ہے، کیونکہ کھجور میں جہاں ایک طرف غذائیت ہے وہیں زود ہضم اور معدے میں ہلکے پن کا سبب ہے۔

واضح رہے کہ خوب آسودگی اور اس کے ساتھ رات میں جاگنے اور دن میں سونے سے روزے کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ واللہ المستعان۔

اے اللہ ہم آپ سے ہر اس خیر کے طالب ہیں جسے ہم جانتے ہیں اور جسے ہم نہیں جانتے اور آپ سے ہر اس شر سے پناہ چاہتے ہیں جسے ہم جانتے ہیں اور جسے ہم نہیں جانتے ۔ اے اللہ ہمیں برے اخلاق ، برے اعمال اور بری خواہشوں سے بچا۔ اور ہمیں بخش دے، ہمارے والدین اور تمام مسلمانوں کو معاف کردے۔

گیارہویں حدیث:

افطاری کے آداب

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ، قَالَ: "لاَ يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُوا الفِطْرَ"۔ {صحیح البخاری: ۱۹۵۷ الصیام، صحیح مسلم ۱۰۹۸ الصوم}

''حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تک لوگ افطاری میں جلدی کرتے رہیں گے اس وقت تک خیر وبھلائی سے رہیں گے''۔

یہ حدیث افطاری کے آداب میں سے ایک ادب پر دلیل ہے یعنی وقت ہوجانے کے بعد افطاری میں جلدی کرنا اور اس میں پیش پیش رہنا۔ جلدی کرنے کا معنی یہ ہے کہ افق مغرب پر سے سورج کی ٹکیہ کے محض غائب ہوجانے کے بعد افطار کردینا ہے۔ اس عمل میں بڑی خیر و برکت ہے، انھیں برکتوں میں ایک برکت نبی ﷺ کے طریقے کی پیروی اور آپ کی سنت پر عمل ہے، اس لئے کہ اللہ کے رسول ﷺ افطار میں جلدی کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ ایک ایسے سفر میں تھے جس میں آپ روزہ سے تھے، جب سورج ڈوب گیا تو آپ نے لوگوں میں سے ایک شخص سے فرمایا: ''**یا فلان قم فاجدح لنا**'' ''اے فلاں اٹھو اور ہمارے لئے ستو گھولو'، اس نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ شام تو ہوجانے دیں؟ آپ نے فرمایا: ''**انزل فاجدح لنا**'' ''اترو اور

ہمارے لئے ستو گھولو'، اس نے پھر جواب دیا: اے اللہ کے رسول ﷺ شام تو ہوجانے دیں، آپ ﷺ نے فرمایا "اترو اور ہمارے لئے ستو گھولو"، اس صحابی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ ابھی تو دن باقی ہے، آپ نے فرمایا: اترو اور ستو گھولو، چنانچہ وہ شخص اترا، اور آپ کے لئے ستو گھولا، نبی ﷺ نے نوش فرمایا۔ پھر {ایک قاعدہ کلیہ کے طور پر} فرمایا: "إذا رَأَيْتُمُ اللَّيْلَ أَقْبَلَ مِنْ هَا هُنَا، فَقَدْ أَفْطَرَ الصَّائِمُ" وَأَشَارَ بِإِصْبَعِهِ قِبَلَ المَشْرِقِ [1] "جب اس طرف یعنی مشرق سے رات آجائے تو روزہ دار کو روزہ افطار کر دینا چاہئے"۔

نیز ایک حدیث میں یہ بھی وارد ہے کہ افطاری میں جلدی کرنا انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے، جیسا کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تین کام نبیوں کے اخلاق میں داخل ہیں، ۱۔ افطاری میں جلدی کرنا، ۲۔ سحری میں تاخیر کرنا، ۳۔ نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا۔ [2]

افطاری میں جلدی کرنا جہاں ایک طرف لوگوں پر آسانی ہے تو دوسری طرف دین میں غلو اور تشدد سے دوری ہے، خیر القرون کے لوگ یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے اس ادب کو اچھی طرح ملحوظ رکھا تھا، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے جب سورج ڈوب گیا تو فوراً افطار کر دیا [3]، اور عمرو بن

---

[1] صحیح البخاری: ۱۹۵۴ الصیام، صحیح مسلم: ۱۰۱۰ الصیام۔

[2] الطبرانی الکبیر، مجمع الزوائد ۱۰۵ / ۱۲ امام ہیثمی لکھتے ہیں کہ یہ حدیث مرفوع اور ابو درداء سے موقوف دونوں طرح مروی ہے اور اسکا موقوف ہونا ہی صحیح ہے کیونکہ مرفوع سند میں بعض ایسے راوی ہیں جنھیں میں نہیں جانتا۔

[3] فتح الباری ۱۹۶ / ۴۔

میمون الاودی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام اور لوگوں کے مقابلہ میں افطار میں جلدی کرنے والے اور سحری میں تاخیر کرنے والے تھے۔ ①

اور جس شخص نے یہ سمجھ کر افطار کر دیا کہ سورج ڈوب گیا ہے، حالانکہ ابھی تک سورج ڈوبا نہیں تھا تو اس کا روزہ صحیح ہے، البتہ اسے سورج ڈوبنے تک کچھ اور کھانے سے رکے رہنا چاہیئے، اس شخص کا حکم ویسا ہی ہے جو بھول کر کھانے والے کا ہے، بھول جانے والا اور غلطی سے کوئی کام کر جانے والے دونوں کا حکم ایک ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ إِن نَّسِينَآ أَوْ أَخْطَأْنَا﴾ اے ہمارے رب اگر بھول گئے ہوں یا خطا کی ہو تو ہمیں نہ پکڑنا۔

روزہ دار کو چاہیئے وقت افطار کی گھڑیاں اور دعا کی قبولیت کے وقت کو غنیمت سمجھتے ہوئے اس وقت خیر و بھلائی کی جو بھی دعا چاہے کرے، کیونکہ اس وقت کی دعا قبول کی جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''**ثَلَاثَةٌ لَا تُرَدُّ دَعْوَتُهُمْ: الصَّائِمُ حَتَّى يُفْطِرَ، وَالإِمَامُ العَادِلُ، وَدَعْوَةُ المَظْلُومِ**''②

''تین آدمی ایسے ہیں جن کی دعا رد نہیں کی جاتی، امام عادل، روزہ دار جس وقت وہ روزہ افطار کر رہا ہو اور مظلوم کی دعا''۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

---

① مصنف عبد الرزاق ۲۲۶ / ۱، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ اسکی سند صحیح ہے، الفتح ۱۹۹ / ۴۔

② سنن الترمذی: ۳۵۹۸، سنن ابن ماجہ: ۱۷۵۲ امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے، اس حدیث کی تائید کرنے والی بعض دیگر حدیثیں بھی ہیں، ان میں سے ایک حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو کی حدیث بھی ہے۔

فرمایا: ''إِنَّ لِلصَّائِمِ عِنْدَ فِطْرِهِ لَدَعْوَةً مَا تُرَدُّ'' ''روزہ دار کی افطار کے وقت کی دعا رد نہیں کی جاتی''۔ ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے سنا کہ جب حضرت عبداللہ بن عمرو افطار کرتے تو یہ دعا پڑھتے: ''اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِرَحْمَتِكَ الَّتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ أَنْ تَغْفِرَ لِي''[1]

''اے اللہ تعالیٰ میں تیری اس رحمت کے وسیلے سے مانگتا ہوں جس نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہے کہ تو مجھے معاف کر دے''۔

افطاری کے وقت جس دعا کا پڑھنا مستحب ہے اس میں سے ایک دعا یہ بھی جسے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب افطار کرتے تو یہ دعا پڑھتے: ''ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوقُ، وَثَبَتَ الْأَجْرُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ''[2] ''پیاس بجھ گئی اور رگیں تر ہو گئیں اور اللہ نے چاہا تو اجر بھی ثابت ہو گیا۔

اے اللہ ہمیں علم نافع، مقبول عمل اور پاک روزی عطا فرما۔ اے اللہ ہماری دعائیں قبول فرما۔ ہماری امیدیں پوری کر اور ہمیں، ہمارے والدین اور تمام مسلمانوں کو بخش دے۔

---

① سنن ابن ماجہ: ۱۷۵۳ الصیام، مستدرک الحاکم ۴۲۲ / ۱، عمل الیوم واللیلۃ حافظ بوصیری نے فرمایا کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے دیکھئے زوائد ابن ماجہ ۲۵۴، البتہ حافظ منذری نے ترغیب ۸۹ / ۲ میں اور علامہ البانی نے ارواء الغلیل میں اس حدیث کو ضعیف کہا ہے، اس بارے میں جتنی حدیثیں ہیں کوئی بھی کلام سے خالی نہیں ہیں البتہ امید ہے کہ ایک کو دوسرے سے تقویت حاصل ہوتی ہے۔ دیکھئے تنبیہ القاری للشیخ عبداللہ الدویش ۷۹، ۷۸۔

② ابوداود: ۲۳۵۷، سنن کبریٰ للبیہقی: ۲۲۹ / ۲، الحاکم ۴۲۲ / ۱، ابن السنی: ۴۷۸، الدارقطنی: ۱۸۵ / ۲ امام دارقطنی کہتے ہیں کہ اس حدیث کو بیان کرنے میں حسین بن واقد منفرد ہیں اور اسکی سند حسن ہے۔ حسین بن واقد ثقہ راوی ہیں، ان سے کچھ وہم ضرور ہوتا تھا، جیسا کہ تقریب التھذیب میں لکھا ہے۔

بارہویں حدیث:

کن چیزوں کا ترک روزہ دار پر واجب ہے

’’عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ، قَالَ: » الصِّيَامُ جُنَّةٌ فَلاَ يَرْفُثْ وَلاَ يَجْهَلْ، وَإِنِ امْرُؤٌ قَاتَلَهُ أَوْ شَاتَمَهُ فَلْيَقُلْ: إِنِّي صَائِمٌ مَرَّتَيْنِ« ‘‘۔(صحیح البخاری: ۱۸۹۴الصیام،صحیح مسلم: ۱۵۱۱الصیام)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: روزہ ڈھال ہے {اس لئے جب کوئی روزہ رکھے تو} نہ فحش گوئی کرے، نہ شور وشرابا کرے اور نہ جہالت کی باتیں کرے، اور اگر کوئی اس سے لڑائی کرے یا گالی دے تو اسے کہہ دینا چاہئے کہ میں روزہ سے ہوں، میں روزہ سے ہوں۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ روزہ دار سے مطالبہ ہے کہ وہ اپنے روزے کی حفاظت کرے اور ہر اس کام سے دور رہے جو روزہ کے منافی ہے۔ چنانچہ اسے چاہئے کہ اچھے اخلاق سے متصف ہو اور برے اخلاق سے بچتا رہے، تاکہ روزہ کا مطلوبہ فائدہ حاصل ہو اور اس سے وہ مغفرت حاصل ہو جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔

نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَالعَمَلَ بِهِ وَالجَهْلَ ، فَلَيْسَ لِلَّهِ حَاجَةٌ أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ‘‘[1]

’’جو شخص جھوٹ بولنا، اس کے مطابق عمل کرنا اور جہالت کو ترک نہ کرے تو اللہ

---

[1] صحیح البخاری اسکی تخریج گزر چکی ہے۔

تعالی کو اس کے اپنا کھانا پانی چھوڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے''۔

زیر بحث حدیث میں روزہ کو "جنۃ" {یعنی ڈھال} کہا گیا ہے، یعنی جو تجھے اس چیز سے بچائے اور چھپائے جس سے تم خوف کھاتے ہو۔ معنی یہ ہے کہ روزہ دار کو روزہ دنیا میں گناہ سے بچاتا ہے، اور جب اس کے لئے گناہ سے ڈھال بن گیا تو آخرت میں اس کے لئے جہنم سے بھی ڈھال بن جائے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ''**الصِّيَامُ جُنَّةٌ مِنَ النَّارِ كَجُنَّةِ أَحَدِكُمْ مِنَ الْقِتَالِ**''[1]

''روزہ جہنم سے ڈھال ہے، جیسے تم میں سے کسی کی لڑائی میں ڈھال ہوتی ہے''۔

روزہ کی فضیلت کی یہ بڑی واضح دلیل ہے۔

نیز زیر بحث حدیث میں ہے کہ "فحش بات نہ کرے" اس کے لئے حدیث میں لفظ "رفث" استعمال ہوا ہے" رفث" سے مراد جماع اور مباشرت ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے۔ ﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ ٱلصِّيَامِ ٱلرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَآئِكُمْ﴾ [البقرة: ۱۸۷] " تمہارے لئے حلال کیا گیا ہے روزہ کی راتوں میں اپنی بیویوں سے ملنا"۔

اور بہت سے علماء کا کہنا ہے کہ حدیث میں لفظ" رفث" سے مراد ہر بے ہودہ اور گندی بات ہے۔

نیز حدیث میں فرمان نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ " جہالت" کی بات نہ کرے۔" جہالت" سے مراد ہر وہ کام ہے جو حلم و برد باری کے خلاف ہو۔ جس کا معنی ہے کہ روزہ دار

---

① سنن النسائی: ۱۶۷/ ۴، سنن ابن ماجہ: ۱۶۲۹ الصیام، مسند احمد: ۲۰۵/ ۲۶، ابن خزیمۃ ۱۹۲/ ۳، صحیح ابن حبان: ۴۰۹/ ۸ علامہ البانی لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی سند حسن ہے۔ دیکھئے صحیح الترغیب ۴۸۳/ ۱۔

جاہلوں جیسا کام نہ کرے، جیسے شور شرابا اور بے وقوفی کی باتیں۔

اسی طرح فرمان نبوی" میں روزہ دار ہوں" سے مراد یہ ہے کہ جب روازہ دار سے کوئی شخص لڑائی کرے یا جھگڑا کرنے لگے، یا گالی دے تو روزہ دار کو چاہئے کہ اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ نہ کرے، بلکہ یہ کہہ دے کہ میں روزہ سے ہوں۔ اس لئے کہ جب سامنے والا جان لے گا کہ یہ شخص روزہ دار ہے اور روزہ رکھنے کی وجہ سے اس کا جواب نہیں دینا چاہتا ہے تو شاید وہ اس کے ساتھ لڑائی جھگڑے سے رک جائے۔

حق بات تو یہی ہے کہ حقیقی روزہ دراصل اعضا کا گناہ کے کاموں سے، زبان کا جھوٹ اور فحش گوئی سے، پیٹ کا کھانے پینے سے اور شرم گاہ کا جماع اور عورت کے ساتھ مباشرت سے رو کے رہنا ہے۔

روزہ ایک تربیت گاہ ہے جس میں حلم وصبر اور سچائی کی تعلیم دی جاتی ہے، عمدہ اخلاق پر ابھارا جاتا اور عمدہ و بہترین قول و فعل کی ترغیب دی جاتی ہے، چنانچہ [حقیقی] روزہ دار نہ شور و شرابا کرتا ہے، نہ لغویات میں پڑتا ہے، نہ غصہ ہوتا ہے اور نہ ہی جھوٹ بولتا ہے۔ بلکہ اس کی گفتگو ذکر الٰہی اور اس کی خاموشی فکر { آخرت } ہوتی ہے۔ روزہ دار کا وقت اس سے کہیں قیمتی ہوتا ہے کہ { نیکیوں کو } برباد کرنے والے ان امور میں صرف ہو، جو روزہ کے ثواب کو برباد اور اس کی حقیقت کو ختم کر دیتے ہیں۔

اے اللہ ہمیں سلامتی کی راہ پر چلا، تاریکی سے روشنی کی طرف لا، ظاہر و پوشیدہ ہر قسم کی برائی سے محفوظ رکھ، ہمارے کان، آنکھ، قوت اور اہل وعیال میں برکت عطا فرما، ہمیں معاف کر دے، میرے والدین کو بخش دے اور تمام مسلمانوں کو بخش دے۔

تیرھویں حدیث:

روزہ دار کیلئے مسواک کرنا مشروع ہے

"عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ:أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: "لَوْلاَ أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي أَوْ عَلَى النَّاسِ لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ مَعَ كُلِّ صَلاَةٍ". (صحیح البخاری:۸۸۷ الجمعۃ،صحیح مسلم:۲۵۲ الطہارۃ)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر امت کو مشقت میں پڑ جانے کا مجھے خوف نہ ہوتا تو میں انھیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دے دیتا"۔

یہی حدیث بخاری میں معلقا مروی ہے جس کے الفاظ اس طرح ہیں:" ہر وضو کے ساتھ مسواک کا حکم دے دیتا"۔ ①

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ ہر نماز کے وقت مسواک کرنا ایک تاکیدی امر ہے، وہ نماز خواہ فرض ہو یا نفل۔ اور اس میں بھی کوئی تفریق نہیں ہے کہ روزہ کی حالت میں ہو یا غیر روزہ کی حالت میں، دن کے ابتدائی حصہ میں ہو یا آخری حصہ میں۔ تاکہ نمازی عبادت میں اچھی حالت اور خوشبودار کیفیت سے داخل ہو۔

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

---

① صحیح البخاری، حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام نسائی اور ابن خزیمہ نے امام مالک سے موصولا روایت کیا ہے، دیکھئے الارواء ۱۰۹/۱۔

''السِّوَاكُ مَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ''[1]

''مسواک منہ کی صفائی اوررب کی رضا کا سبب ہے''۔

یہ ایک عام حکم ہے جو روزہ دار اور غیر روزہ دار ہر ایک کو شامل ہے، اس لئے اسے عموم پر محمول کرنا واجب ہوگا، یہاں تک کہ {غیر روزہ دار کیلئے} اس حدیث کا خاص ہونا ثابت ہوجائے، جبکہ اس عام کو خاص کرنے والی کوئی صحیح دلیل نہیں ہے، امام ابن العربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روزہ دار کے مسواک کرنے یا نہ کرنے کے سلسلے میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے، سوا اس کے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر وضو اور ہر نماز کے وقت مسواک کرنے پر ابھارا ہے۔ اس میں روزہ دار اور غیر روزہ دار کی کوئی تخصیص نہیں کی ہے۔ اسی طرح جمعہ کے دن بھی مسواک کو مستحب قرار دیا ہے اور اس میں بھی روزہ دار اور غیر روزہ دار کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا ہے۔ اور طہارت کے بیان میں ہم نے مسواک کے جو دس فوائد جو بیان کئے ہیں روزہ داران کا زیادہ حقدار ہے۔[2]

اس مسئلے میں حق یہی ہے کہ روزہ دار کے لئے مسواک کا مشروع ہونا ہی راجح ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ عنہ فرماتے ہیں {یہ کہنا کہ} روزہ دار کے لئے زوال کے بعد مسواک مکروہ ہے، اس پر کوئی ایسی شرعی دلیل نہیں ہے جس سے مسواک سے متعلق عام دلیلوں کو خاص کیا جاسکے۔[3]

---

① سنن النسائی ۱۰/۱، مسند احمد: ۲۴۰/۴۰ یہ حدیث صحیح بخاری میں بھی معلق مگر بصیغۂ جزم مروی ہے الفتح: ۱۵۸/۴ اس حدیث کی تائید متعدد حدیثوں سے بھی ہوتی ہے جو متعدد صحابہ سے مروی ہیں، دیکھئے تلخیص الجبیر ۷۰/۱، ارواء الغلیل ۱۰۵/۱۔

② عارضۃ الاحوذی: ۲۵۶/۳ اور مسواک کے فوائد کیلئے، دیکھئے ۴۰/۱۔ ③ مجموع الفتاوی: ۲۶۶/۲۵۔

جو اہلِ علم روزہ دار کے لئے زوال کے بعد مسواک کو مکروہ سمجھتے ہیں انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا : ''إِذَا صُمْتُمْ فَاسْتَاكُوا بِالْغَدَاةِ وَلَا تَسْتَاكُوا بِالْعَشِيِّ''[1] ''جب روزہ رکھو تو صبح کو مسواک کرو اور شام کے وقت مسواک نہ کرو''۔

اس حدیث میں شام کے لئے لفظ ''عشی'' استعمال ہوا جو زوال کے بعد سے مغرب تک کے وقفہ کے لئے بولا جاتا ہے۔ {لیکن} یہ حدیث ضعیف ہے۔

اسی طرح ان حضرات کا مستدل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ ماسبق حدیث بھی ہے کہ: ''ولخلوف فم الصائم اطیب عند الله من ریح المسک'' [روزہ دار کی منہ کی بو اللہ تعالی کے نزدیک مشک سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے]۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ ''خلوف'' یعنی وہ ناپسندیدہ بو جو معدہ کے کھانے سے خالی ہونے کی وجہ سے روزہ دار کے منہ سے آتی ہے وہ عام طور پر دن کے آخری حصہ میں ہی آتی ہے، تو جب یہ بو اللہ تعالی کے نزدیک محبوب ٹھہری تو شرعی طور پر یہ لائق تعریف ہے، کیونکہ اس کا سبب اللہ تعالی کی اطاعت ہے، اس لئے مسواک کر کے اسے ختم نہیں کرنا چاہئے۔

لیکن یہ کوئی اہم دلیل نہیں ہے کیونکہ وہ بدبو جو معدہ کے خالی ہونے اور دیر تک اس

---

[1] دارقطنی: ۲۰۴/ ۲، بیہقی ۲۷۴/ ۴، نیز طبرانی کبیر: ۷۸/ ۴، الکنی للدولابی: ۵۲/ ۲، یہ حدیث موقوف و مرفوع دونوں طرح مروی ہے، امام دارقطنی کہتے ہیں کہ اس حدیث کے ایک راوی کیسان ابوعمر ضعیف ہے اور کیسان اور حضرت علی کے درمیان بعض رواۃ مجہول ہیں، ایسا ہی امام بیہقی نے فرمایا ہے، حافظ ابن حجر تلخیص الحبیر میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

میں کھانا نہ پہنچنے کے سبب ظاہر ہوتی ہے وہ مسواک سے ختم نہیں ہوتی۔ نیز یہ بد بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب اس لئے ہے کہ اپنے نفس کی پسندیدہ چیز پر اللہ تعالیٰ کی رضا کو ترجیح دیتے ہوئے بندے نے ایسا کیا ہے۔اس کا معنی یہ نہیں ہے اللہ تعالیٰ کو یہ پسند ہے کہ نہ کہ بندہ اپنے منھ اور دانت میں گندگی کو باقی رہنے دے۔

نیز یہ بات بھی قابل غور ہے کہ بعض روزہ داروں کے منھ سے بو آتی ہی نہیں، یا ان کا معدہ صاف ہوتا ہے، یا پھر ان کا معدہ کھانے کو جلدی ہضم نہیں کرتا ہے، اور یہ بھی ہوتا ہے کہ بسا اوقات زوال سے پہلے ہی بو آنے لگتی ہے۔

حضرت عبدالرحمن بن غنم رحمہ اللہ سے منقول یہ بات کس قدر عمدہ ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حالت روزہ میں میں مسواک کرسکتا ہوں؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں، میں نے پھر سوال کیا: دن میں کسی وقت؟ انہوں نے کہا: صبح وشام {کسی بھی وقت}، میں نے کہا کہ کچھ لوگ زوال کے بعد مسواک کرنا ناپسند کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے کہ روزہ دار کے منھ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سبحان اللہ، اللہ تعالیٰ نے انھیں مسواک کا حکم دیا ہے اور جو مسواک کا حکم دے رہا ہے وہ کبھی بھی اس بات کا حکم نہ دیگا کہ جان بوجھ کر اپنے منھ کو گندا رکھو......اس میں کوئی خیر نہیں بلکہ یہ شر ہے۔ [1]

اے اللہ ہماری عمر کا بہترین حصہ اس کا آخر بنا، ہمارے اعمال کا بہترین حصہ اس کا

[1] حافظ ابن حجر تلخیص الجبیر میں لکھتے ہیں کہ اس اثر کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اسکی سند عمدہ ہے، تلخیص الجبیر: ۲/ ۲۱۴۔

خاتمہ بنا اور ہمارا بہترین وقت وہ ہو جب ہم آپ سے ملاقات کریں، اے اللہ ہمیں اس حال میں وفات دے کہ تو ہم سے راضی ہو، ہمیں معاف فرما، ہمارے والدین اور تمام مسلمانوں کو بخش دے۔

چودھویں حدیث:

قے اور روزہ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”مَنْ ذَرَعَهُ الْقَيْءُ وَهُوَ صَائِمٌ فَلَيْسَ عَلَيْهِ قَضَاءٌ، وَإِنِ اسْتَقَاءَ فَلْيَقْضِ“ {سنن ابو داود: ۲۳۸۰ الصیام، سنن الترمذی: ۷۲۰ الصوم، سنن ابن ماجہ، ۱۶۷۶، ۵۳۸/۱، مسند احمد: ۲۸۳/۲، ۱۶، مستدرک الحاکم: ۴۲۸/۱}

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جسے خود بخود قے آجائے تو اس پر روزے کی قضا نہیں ہے اور جس نے عمداً قے کی تو وہ قضا دے“۔

یہ حدیث اس امر پر دلیل ہے کہ جس شخص نے قے کیا اور عمداً قے کیا تو اس کا روزہ فاسد ہو گیا اور اس پر قضا واجب ہوگی۔ جمہور علماء کا یہی مذہب ہے۔

البتہ جسے بلا اختیار قے آجائے تو اس کا روزہ صحیح ہے اور اس پر قضا وغیرہ نہیں ہے۔ امام خطابی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھے علم نہیں ہے کہ اس بارے میں علماء کا کوئی اختلاف ہو۔[1] امام ابن قدامۃ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ عمومی طور پر اہل علم کا یہی مسلک ہے۔[2]

اس لئے اگر کوئی شخص عمداً قے کرتا ہے خواہ تھوڑی مقدار میں ہو یا زیادہ مقدار میں تو حدیث سے یہی ظاہر ہے کہ اس کا روزہ ٹوٹ گیا۔ اس لئے کہ روزہ کو توڑنے

---

① معالم السنن: ۲۶۱/۲۔

② المغنی: ۳۶۸/۴۔

والے دیگر امور میں کم یا زیادہ کا کوئی فرق نہیں ہے۔ امام موفق الدین ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ قے تھوڑی مقدار میں ہے یا زیادہ، کھانے کی چیز ہو یا پت {تلخی} اور بلغم ہو، یا خون وغیرہ۔ کیونکہ یہ ساری چیزیں ہی حدیث کے عموم میں داخل ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ①

قے کرنے سے روزہ ٹوٹ جانے کی حکمت بیان کرتے ہوئے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: چونکہ روزہ دار کو کھانے پینے کی ہر اس چیز کے استعمال کرنے سے روکا گیا ہے جو اس کے لئے غذا بنے اور اسے قوت پہنچائے، لہٰذا ہر اس چیز کے نکالنے سے بھی منع کیا گیا ہے جو اس کے جسم کو کمزور کردے اور اس مادہ کو خارج کردے جو اس کے لئے غذا بن رہا ہے، کیونکہ اگر روزہ دار کو اس امر کی اجازت دی گئی تو اسے نقصان لاحق ہوگا اور اپنی عبادت میں حد سے تجاوز کرنے والا تصور ہوگا، نہ کہ میانہ رو۔ ②

بعض اہل علم کا خیال ہے کہ قے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، حضرت عبداللہ بن عباس، ابو ہریرہ اور عکرمہ رضوان اللہ علیہم کا یہی مسلک ہے، امام مالک سے بھی ایک قول ایسا ہی مروی ہے، امام بخاری رحمہ اللہ کا بھی مختار مذہب یہی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی حدیث ثابت نہیں ہے، حالانکہ قے ایسی چیز ہے جو عمومی بلوی ہے یعنی بکثرت وقوع پذیر ہے۔

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ جسے قے آئے وہ اپنا روزہ نہ توڑے کیونکہ یہ تو ایک چیز نکل رہی ہے کوئی چیز اندر نہیں جا رہی ہے۔ ③

---

① المغنی: ۳۶۹/۴۔ ② مجموع الفتاوی: ۲۵۰/۲۵۔

③ صحیح البخاری: ۱۷۴/۴، اسکی سند صحیح ہے۔

اے اللہ ہمیں اپنی طاعت کا راستہ اختیار کرنے کی توفیق بخش، سنت کی پیروی اور جماعۃ المسلمین پر جمائے رکھ، ہمیں ان لوگوں میں نہ بنا جو حق کو پہچان کر اسے ضائع کر دیتے ہیں اور ہمیں بخش دے، ہمارے والدین کو بخش دے اور تمام مسلمانوں کو بخش دے۔

پندرہویں حدیث:

رمضان میں دن کے وقت جماع

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: هَلَكْتُ. قَالَ: »وَمَا شَأْنُكَ؟« قَالَ: وَقَعْتُ عَلَى امْرَأَتِي فِي رَمَضَانَ، قَالَ: »تَسْتَطِيعُ تُعْتِقُ رَقَبَةً« قَالَ: لاَ. قَالَ: »فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تَصُومَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ« قَالَ: لاَ. قَالَ: »فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تُطْعِمَ سِتِّينَ مِسْكِينًا« قَالَ: لاَ. قَالَ: »اجْلِسْ« فَجَلَسَ، فَأُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَرَقٍ فِيهِ تَمْرٌ - وَالعَرَقُ المِكْتَلُ الضَّخْمُ - قَالَ: »خُذْ هَذَا فَتَصَدَّقْ بِهِ« قَالَ: أَعَلَى أَفْقَرَ مِنَّا؟ فَضَحِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ، قَالَ: »أَطْعِمْهُ عِيَالَكَ« .(صحیح البخاری:۱۹۳۶الصوم، صحیح مسلم:۱۱۱۱الصوم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا: اے اللہ کے رسول میں تو مارا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: تمھیں کس نے مارا یا ہلاک کیا؟ اس نے کہا: میں رمضان میں (یعنی حالت روزہ میں) اپنی بیوی سے ہمبستر ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تیرے اندر یہ طاقت ہے کہ ایک غلام آزاد کرے؟ اس نے کہا: نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: کیا تو دو مہینہ کا پے در پے روزہ رکھ سکتا ہے؟ اس نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: کیا تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں ۔ آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ، چنانچہ اللہ کے

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک ٹوکرا لایا گیا جس میں کھجوریں تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: {لے جاؤ} انھیں صدقہ کر دو، اس نے کہا: مدینہ کے دونوں پتھریلی زمینوں کے مابین مجھ سے زیادہ محتاج اور کوئی نہیں ہے۔ {یہ سنکر} اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنس پڑے اور فرمایا: اسے لو اور اپنے گھر والوں کو کھلا دو۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ رمضان المبارک میں {دن کے وقت} اپنی بیوی سے ہمبستر ہونا بہت بڑا گناہ ہے، کیونکہ جب اس شخص نے یہ کہا کہ میں تو مارا گیا یعنی جو کام روزے کی حالت میں مجھ پر حرام تھا اس کے ارتکاب سے میں گناہ کے کام میں پڑ گیا، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی بات پر خاموش رہے [اور یہ نہیں کہا کہ یہ کئی گناہ نہیں ہے]

نیز اس بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی اس حدیث میں ہے کہ اس نے کہا: ''احترقت'' میں تو جل گیا {یعنی ایسا کام کیا جس سے دوزخ میں جلنا لازم آتا ہے} [1]

نیز اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ اگر کوئی شخص رمضان میں دن کے وقت اپنی بیوی سے ہمبستر ہوتا ہے تو اس کا روزہ باطل ہو گیا اور توبہ کے ساتھ ساتھ اس پر اس دن کی قضا بھی واجب ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ روزہ کو یاد رکھتے ہوئے اور عمداً ایسا کیا ہو۔

نیز اس گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے اس پر ''کفارہ مغلظہ'' بھی واجب ہے، کفارہ مغلظہ بالترتیب یہ ہے: ایک مومن غلام آزاد کرنا۔ اگر نہ ملے تو دو مہینہ کا متواتر روزہ رکھنا۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو ہر مسکین کو ایک مد گیہوں کے حساب سے ساٹھ مسکینوں کو کھانا

---

① صحیح مسلم: ۱۱۱۲ الصوم۔

کھلانا۔ یہ گیہوں عمدہ قسم کا ہونا چاہیئے۔ایک مد کی مقدار ۵۶۳ گرام ہے۔گیہوں کی جگہ چاول یا کوئی ایسا غلہ جو شہر کا عام کھانا ہو وہ بھی کافی ہوگا۔[یہ اسلئے کہ اس قصہ کے بعض روایات میں ہے کہ آپ کے پاس ایک ٹوکرا لایا گیا جس میں پندرہ صاع کھجوریں تھیں۔ ①

اور اگر کوئی شخص بھول کر جماع کرتا ہے تو علماء کے صحیح قول کے مطابق اس کا روزہ صحیح ہے، نہ اس پر قضا ہے اور نہ ہی کفارہ۔

امام بخاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حسن اور مجاہد کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص بھول کر جماع کرتا ہے تو اس پر کچھ بھی نہیں ہے۔ ②

اسی طرح اگر طلوع فجر کے وقت یہ سمجھ کر جماع کرتا ہے کہ ابھی رات باقی ہے، پھر معلوم ہوا کہ صبح طلوع ہو چکی تھی، تو اہل علم کے راجح قول کے مطابق نہ اس پر قضا ہے اور نہ کفارہ۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہی قول زیادہ صحیح ، اصول شریعت کے زیادہ قریب اور کتاب وسنت کی دلالت کے مطابق ہے۔ نیز امام احمد رحمہ اللہ کے اصول کے بھی مطابق ہے، اس لئے کہ اللہ تعالی بھولنے والے اور غلطی سے کوئی کام کر جانے والے پر کوئی مواخذہ نہیں کرتا، اور یہ شخص بھی ایک قسم کی غلطی کرنے والا ہے، کیونکہ اللہ تعالی نے صبح کی سفیدی کو رات کی سیاہی سے واضح ہو جانے تک کھانے پینے اور جماع کو حلال ٹھہرایا ہے، لہذا جو شخص وہ کام کرتا ہے جس کی اسے اجازت ہے یا

① اور ایک صاع چار مد کا ہوتا ہے الفتح: ۶۹ / ۴۔

② دیکھئے فتح الباری: ۱۵۶،۱۵۵ / ۴، نیز دیکھئے تعلیق التعلیق: ۱۵۷،۱۵۶ / ۳، الدراری المضیۃ: ۲۲ / ۲۔

اس کے لئے جائز قرار دیا گیا ہے تو وہ لا پرواہی کرنے والا شمار نہ ہوگا، ایسا شخص تو بھولنے والے کے مقابلہ میں عذر کے قبول کئے جانے کا زیادہ حقدار ہے۔ ①

یہ حکم مرد سے متعلق تھا اور جہاں تک عورت کا تعلق ہے تو جماع کی صورت میں اس کا بھی روزہ فاسد ہو جائیگا اور اس پر بھی قضا واجب ہوگی۔ البتہ کفارہ کے وجوب کے سلسلے میں یہ حکم ہے کہ اگر وہ اس کام میں شوہر کے عمل پر راضی تھی تو اس پر بھی کفارہ واجب ہے اور اگر اسے مجبور کیا گیا تھا تو اس پر کفارہ نہیں ہے۔

اور اگر کوئی شخص رمضان کے روزہ کی قضا کی حالت میں جماع کرتا ہے تو اس کا بھی روزہ فاسد ہو گیا، جس کے لئے اس پر توبہ کے ساتھ تو اس دن کی دوبارہ قضا واجب ہوگی۔ البتہ اس پر کوئی کفارہ نہیں ہے، اس لئے کہ کفارہ رمضان کے دنوں کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ رمضان کی ایک خصوصی حرمت ہے [جو کسی اور مہینے کو حاصل نہیں ہے]، لہٰذا اس میں افطار کرنا اس کی حرمت پامال کرنا ہے، بخلاف قضا کے ایام کے کہ اس بارے میں تمام دن برابر ہیں۔ ②

اے اللہ ہمیں اپنی مخالفت و نافرمانی کے اسباب سے محفوظ رکھ، اور ایسے ایمان کی توفیق بخش جس سے تو راضی ہو، ہمارے اگلے، پچھلے، ظاہر و پوشیدہ اور ان تمام گناہوں کو بخش دے جنھیں تو ہم سے زیادہ جانتا ہے۔

① مجموع الفتاوی: ۲۶۳/ ۲۵۔

② الکافی: ۳۵۷/ ۱، الدرر السنیۃ: ۲۸۸/ ۳۔

سولہویں حدیث:

حالت جنابت میں صبح کرنے والے شخص کا روزہ

عَنْ عائشة وأُمِّ سَلَمَةَ،رضي الله عنهما أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "كَانَ يُصْبِحُ جُنُبًا، ثُمَّ يَغْتَسِلُ وَيَصُومُ". {صحیح البخاری: ۱۵۲۵ الصوم، صحیح مسلم: ۱۱۰۹ الصوم}

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح کو جماع کی وجہ سے جنبی ہو کر اٹھتے، پھر غسل فرما کر روزہ رکھ لیتے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں اتنا اضافہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس روزے کی قضا نہیں کرتے تھے۔

یہ حدیث اس امر پر دلیل ہے کہ اگر روزہ دار اس حال میں صبح کرے کہ وہ جنابت سے تھا، اس طرح کہ فجر طلوع ہو گئی اور جماع یا احتلام کی وجہ سے وہ جنبی تھا [اور طلوع فجر سے پہلے غسل نہ کر سکا] تو اس کا روزہ صحیح ہے، اگر چہ وہ طلوع فجر کے بعد غسل کر رہا ہے، بشرطیکہ روزہ کا وقت شروع ہوتے وقت اس نے کھانے پینے اور روزہ توڑنے والی دوسری چیزوں سے رکنے کی نیت کر لی ہو۔

''جنابت'' اس حالت کو کہتے ہیں جو انزال یا جماع کی وجہ سے غسل کو واجب کرتی ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے: ﴿فَٱلْـَٔـٰنَ بَـٰشِرُوهُنَّ وَٱبْتَغُوا۟ مَا كَتَبَ ٱللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا۟ وَٱشْرَبُوا۟ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ ٱلْخَيْطُ ٱلْأَبْيَضُ مِنَ ٱلْخَيْطِ

ٱلۡأَسۡوَدِ مِنَ ٱلۡفَجۡرِ﴾ [البقرۃ:۱۸۷]۔

''پس اب تمہیں ان سے مباشرت کی اور اللہ تعالی کی لکھی ہوئی چیز کو تلاش کرنے کی اجازت ہے، تم کھاتے پیتے رہو، یہاں تک کہ صبح کا سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے ظاہر ہوجائے''۔

لہٰذا جب اللہ تعالی نے طلوع فجر تک جماع کی اجازت دی تو اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ غسل طلوع فجر کے بعد ہی ہوسکتا ہے۔

حدیث میں جنابت کو جماع سے مقید کرنے سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غسل کو اپنے اختیار سے موخر کیا تھا، اچانک آپ کو کوئی ایسی حالت پیش نہیں آئی تھی جس سے غسل واجب ہوتا۔

اس سے یہ فائدہ بھی حاصل ہوا کہ غسل جنابت کیلئے جلدی کرنا واجب نہیں ہے، بلکہ طلوع فجر تک اسے موخر کیا جاسکتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر پوچھ رہا تھا اور وہ دروازے کے آڑ سے سن رہی تھیں۔ اس نے پوچھا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز {فجر} کا وقت مجھے پالیتا ہے اور ابھی میں جنبی ہوتا ہوں تو کیا اس دن کا روزہ میں رکھ لوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے بھی نماز کا وقت اس حال میں پالیتا ہے کہ میں جنبی ہوتا ہوں اور میں روزہ رکھ لیتا ہوں۔ اس شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ ہمارے مانند نہیں ہیں {آپ کی بات ہی کچھ اور ہے}، اللہ تعالی نے تو آپ کی اگلی پچھلی تمام کوتاہیوں کو معاف کردیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''وَاللهِ، إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَخْشَاكُمْ لِلَّهِ، وَأَعْلَمَكُمْ بِمَا

أَتَّقِي ''①۔ ''قسم اللہ کی امید رکھتا ہوں کہ میں تم میں اللہ تعالی سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہوں اوران اعمال سے زیادہ آگاہ ہوں جن سے بچنا چاہئے''۔

اسی طرح حیض ونفاس والی عورت جب فجر سے پہلے اس کا خون رک جائے اور پاکی کی علامت دیکھ لےتو وہ لوگوں کے ساتھ روزہ رکھے گی خواہ غسل طلوع فجر کے بعد کرے، کیونکہ اب اس کا شماران لوگوں میں ہے جو روزہ رکھنے کے مکلف ہیں {یعنی جن پر روزہ فرض ہے}، البتہ اسے چاہئے کہ وہ غسل کرنے میں جلدی سے کام لے تاکہ فجر کی نماز وقت پر پڑھ سکے۔

اور اگر روزہ دار کو رمضان میں دن کے وقت احتلام ہوگیا تو اسے چاہئے کہ غسل کرکے اپنا روزہ پورا کرے، اس کا روزہ صحیح ہے۔ اس لئے کہ اس میں نہ اس کا کوئی اختیار ہے اور نہ ہی اس کا قصد۔ اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿لَا يُكَلِّفُ ٱللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ [البقرة:٢٨٦]۔ ''اللہ تعالی کسی شخص پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا''۔

اس حدیث میں بھی یہ دلیل ہے کہ روزہ دار غسل کرسکتا ہے اس بارے میں واجب غسل، سنت اور مستحب غسل کا کوئی فرق نہیں ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''باب روزہ دار کے غسل کے بیان میں''، پھر اس کے بعد نقل کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حالت روزہ میں تھے انہوں نے ایک کپڑا تر کیا اور سر پر ڈال لیا۔ امام شعبی رحمہ اللہ روزہ سے تھے اور حمام میں داخل ہوئے۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں کہ روزہ دار کلی کرے اور ٹھنڈک حاصل کرے۔

---

① صحیح مسلم: ۱۱۱۰الصوم۔

پھر امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہی روایت بیان کی جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ ①

امام ابن المنیر الکبیر اس باب کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اس بیان سے اس شخص کا رد ہے جو روزہ دار کیلئے غسل کرنے کو مکروہ سمجھتا ہے، کیونکہ اگر وہ اس لئے مکروہ سمجھتا ہے کہ پانی کے حلق تک پہنچنے کا خطرہ ہے تو یہ قول باطل ہے، اس لئے کہ کلی کرنا، مسواک کرنا اور ہانڈی کا کھانا چکھنا وغیرہ کام جائز ہیں، اور اگر وہ اس لئے ناپسند کرتا کی اس سے رفاہیت وخوش حالی ظاہر ہوتی ہے تو یہ بھی غلط ہے کہ کیونکہ بہت سے سلف نے روزہ دار کے لئے مستحب سمجھا ہے کہ وہ خوشبو لگائے، اچھے کپڑے پہنے، کنگھی کرے اور تیل لگائے، حتی کہ سرمہ وغیرہ کی بھی اجازت دی ہے۔ اسی لئے امام بخای رحمہ اللہ نے ان کاموں کا غسل کے بیان میں نقل کیا ہے {یعنی سرمہ لگانا، کھانا چکھنا اور تیل لگانا وغیرہ، سلف کے آثار جواز سے متعلق نقل فرمائے ہیں} ②۔

اے اللہ ہمیں اہل طاعت کا راستہ چلا، اس پر ثابت قدمی اور استقامت کی توفیق بخش، ہمیں حسرت وندامت کے اسباب سے محفوظ رکھ، قیامت کی گھبراہٹ سے امن میں رکھ، ہمیں بخش دے، ہمارے والدین کو بخش دے اور تمام مسلمانوں کو بخش دے۔

① فتح الباری: ۱۵۳/ ۴۔

② دیکھئے کتاب المتوازی علی صحیح البخاری لابن المنیر ص: ۱۳۱۔

سترہویں حدیث:

روزہ دار کے بوس وکنار کا حکم

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "يُقَبِّلُ وَهُوَ صَائِمٌ، وَيُبَاشِرُ وَهُوَ صَائِمٌ، وَلَكِنَّهُ أَمْلَكُكُمْ لِإِرْبِهِ". {صحیح البخاری:۱۹۲۷،صحیح مسلم:۱۱۰۶الصوم}

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ روزہ کی حالت میں {اپنی بیویوں کو] بوسہ بھی لے لیتے تھے اوران کے ساتھ مباشرت {لیٹ لپیٹ} بھی کر لیتے تھے، لیکن تم لوگوں کے مقابلہ میں وہ اپنے جذبات پر خوب قابو رکھنے والے تھے[1]۔

یہ حدیث اس امر پر دلیل ہے کہ روزہ دار کے لئے اپنی بیوی کو بوسہ لینا اوراس کے ساتھ مباشرت کرنا جائز ہے، فرض ونفل روزہ کے درمیان اس بارے میں کوئی فرق نہیں ہے، بشرطیکہ شہوت کے بڑھ جانے اور منی کے نکلنے کا خطرہ نہ ہو، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ کسی شخص کوسرعت انزال کی شکایت ہو، یا اسے خطرہ ہو کہ اس طرح کرنے سے معاملہ جماع تک پہنچ جائے گا۔ اگر ایسا رہا تو سد باب کے طور پر بوس وکنار سے پرہیز واجب ہوگا، اس لئے کہ روزہ کو فاسد کرنے والی چیزوں سے اس کی حفاظت واجب ہے اور جو چیز کسی واجب کو پورا کرنے کے لئے ضروری ہو وہ بھی واجب ہوتی ہے، اسی لئے تو اللہ کے رسول ﷺ نے وضو کرنے والے کو ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ

---

① صحیح مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ روزہ کے مہینہ رمضان میں بوسہ لیتے تھے۔

سے کام لینے کا حکم دیا، لیکن روزہ کی حالت میں اس سے منع فرمایا، تاکہ پانی حلق سے نیچے نہ چلا جائے، بعینہ اسی طرح اگر بوسہ لینا جماع کا سبب بنتا ہے جس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے تو روزہ دار کو اس سے روکا جائے گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فرمان ''لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے مقابلہ میں اپنے جذبات کو ضبط رکھنے والے تھے'' سے اسی طرف اشارہ ہے۔

معنی یہ ہے کہ تمہیں چاہئے کہ تم بوس و کنار سے پرہیز کرو اور اس وہم میں مبتلا نہ رہو کہ اس کی حلت میں تم بھی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح ہو، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے جذبات پر قابو رکھنے والے تھے اور اس طرف سے بے خوف تھے کہ اس سے کوئی { قابل ضرر صورت حال } پیدا ہوگی۔ تو گویا اس میں یہ اشارہ ہے کہ جسے اپنے جذبات پر کنٹرول نہ ہو اس کے لئے بوس و کنار باعث ضرر ہوگا[1]۔

''مباشرت'' سے مراد میاں بیوی کے جسم کا ایک دوسرے سے ملنا ہے، یہ بوسہ سے عام چیز ہے۔ البتہ کبھی کبھار مباشرت بول کر جماع بھی مراد لیا جاتا ہے، لیکن یہاں جماع مراد نہیں ہے۔ بوسہ کے بعد مباشرت کے ذکر کا مقصد خاص کے بعد عام کا ذکر ہے کیونکہ بوسہ مباشرت سے خاص ہے۔

اگر روزہ دار نے اپنی بیوی کو بوسہ لیا یا اس کے ساتھ مباشرت کی اور اس کی منی نکل گئی تو اس کا روزہ فاسد ہوگیا اور جمہور علماء کے نزدیک اس پر صرف قضا ہے کفارہ واجب نہیں ہے کیونکہ کفارہ جماع کے ساتھ خاص ہے، البتہ اس پر واجب ہے کہ وہ توبہ و استغفار کرے، اپنے کئے پر شرمندہ ہو اور شہوت کو ابھارنے والے اس قسم کے

---

① المعلم لفوائد مسلم للمازری: ۳۴،۳۳/ ۲۔

امور سے دور رہے، کیونکہ وہ ایک ایسی عظیم عبادت میں مشغول ہے جس سے متعلق اللہ تعالی فرماتا ہے: ''يَدَعُ الطَّعَامَ مِنْ أَجْلِي، وَيَدَعُ الشَّرَابَ مِنْ أَجْلِي، وَيَدَعُ لَذَّتَهُ مِنْ أَجْلِي، وَيَدَعُ زَوْجَتَهُ مِنْ أَجْلِي''[1] ''وہ میرے لئے اپنا کھانا چھوڑ دیتا ہے، میرے ہی لئے اپنا پینا چھوڑ دیتا ہے، میرے ہی لئے اپنی لذت ترک کردیتا ہے اور میرے ہی لئے اپنی بیوی کو چھوڑ دیتا ہے''۔

لہٰذا روزہ دار سے مطالبہ ہے کہ وہ اپنی تمام لذت وخواہش کو چھوڑ دے۔ واضح رہے کہ لذت وخواہش کے عموم میں منی کا نکالنا بھی داخل ہے[2]۔

اور اگر بوسہ وکنار سے مذی نکلتی ہے تو علماء کے صحیح قول کے مطابق اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، کیونکہ یہ ایسی چیز کا خروج ہے جس سے غسل واجب نہیں ہوتا، اس طرح گویا وہ پیشاب کے مشابہ ہے۔

اور روزہ دار کو چاہئے کہ وہ ایسے ہر کام سے بچتا رہے جو اسے کسی ممنوع کام میں مبتلا کردے یا روزہ میں خلل واقع ہونے کا سبب بنے، یا اس کے ثواب کو کم کردے، کیونکہ یہ اللہ تعالی کے اوامر ونواہی کی تعظیم میں داخل ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَمَن يُعَظِّمْ شَعَـٰٓئِرَ ٱللَّهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى ٱلْقُلُوبِ﴾ [الحج:٣٢]۔

''اور جو اللہ تعالی کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو یہ اس کے دل کی پرہیزگاری کی وجہ سے ہے''۔

اے اللہ ہماری وفات اس حال میں ہو کہ ہم مومن ہوں، ہمیں نیک لوگوں کے

---

① صحیح ابن خزیمۃ: ۳/۱۹۷۔

② دیکھئے الترجیح فی مسائل الصوم والزکاۃ لمحمد بن عمر بازمول ۹۶۔

زمرے تک پہنچا دے۔اے اللہ ہمیں ایسی توفیق بخش جو ہمیں تیری نافرمانی سے محفوظ رکھے اور ہماری رہنمائی ان اعمال کی طرف کر جن سے تو راضی ہو، ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھلائی دے اور جہنم کے آگ سے بچا لے۔

اٹھارہویں حدیث:

مریض اور مسافر کا روزہ

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: ”كُنَّا نُسَافِرُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَعِبِ الصَّائِمُ عَلَى الْمُفْطِرِ، وَلاَ الْمُفْطِرُ عَلَى الصَّائِمِ“.

(صحیح البخاری: ۱۹۴۷، صحیح مسلم: ۱۱۲۱ الصوم)

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (رمضان میں) سفر کیا کرتے تھے۔ (سفر میں بہت سے روزے سے ہوتے اور بہت سے بے روزہ ہوتے) لیکن روزے دار بے روزہ دار پر اور بے روزہ دار روزے دار پر کسی قسم کی عیب جوئی نہیں کیا کرتے تھے“۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مسافر کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اگر روزے پر قوت رکھتا ہے تو وہ روزہ رکھے یا اگر سمجھتا ہے کہ افطار کرنا اس کے لئے قوت کا سبب ہے تو افطار کرے اور قضا کرے۔ کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے روزہ رکھنے اور افطار کرنے کو باقی رکھا اور خاموشی اختیار کی اور آپ کی خاموشی حجت ہے۔

الحمد للہ یہ شریعت کے آسان ہونے کی ایک دلیل ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ [البقرة: ۱۸۵] ”اور جو بیمار ہو یا مسافر ہو اسے دوسرے دنوں میں یہ گنتی پوری کرنی چاہئے، اللہ تعالی کا ارادہ تمہارے

ساتھ آسانی کا ہے سختی کا نہیں ہے‘‘۔

افطار کی رخصت محض سفر کے ساتھ معلق ہے نہ کہ مشقت کے ساتھ، چنانچہ علی سبیل المثال اگر کوئی شخص جہاز سے سفر کر رہا ہے تو اسے بھی افطار کی اجازت ہے کیونکہ وہ مسافر ہے اور اپنے شہر سے باہر ہے۔

نصوص {حدیث} میں یہ بھی دلیل ہے کہ اگر روزہ رکھنا مسافر پر زیادہ مشکل ہو تو اس کے لئے روزہ رکھنا جائز نہیں ہے، اسلئے کہ اللہ کے رسول ﷺ کو ایک بار جبکہ آپ فتح مکہ کے لئے جا رہے تھے یہ خبر ملی کہ لوگوں پر روزہ بھاری پڑ رہا ہے تو آپ نے عصر کے بعد پانی مانگا اور اسے پی لیا۔ ایسا لوگوں کو دکھا کر کیا [تا کہ لوگ بھی اپنا روزہ توڑ دیں]، لیکن آپ کو بتلایا گیا کہ کچھ لوگ ابھی بھی روزہ رکھے ہوئے ہیں تو آپ نے فرمایا: ’’**أُولَئِكَ الْعُصَاةُ، أُولَئِكَ الْعُصَاةُ**‘‘ (صحیح مسلم: ۱۱۱۴ الصوم بروایت جابر) ’’یہ لوگ نافرمان ہیں، یہ لوگ نافرمان ہیں‘‘۔

اگر روزہ رکھنے میں مشقت تو ہو لیکن زیادہ مشقت نہیں ہے تو ایسے شخص کے حق میں روزہ افطار کرنا بہتر ہے، کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ’’**إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ أَنْ تُؤْتَى رُخَصُهُ، كَمَا يَكْرَهُ أَنْ تُؤْتَى مَعْصِيَتُهُ**‘‘① ’’اللہ تعالی کو اسکی رخصت قبول کرنا ویسے ہی پسندیدہ جیسا کہ اسے یہ ناپسندیدہ ہے کہ معصیت کا ارتکاب کیا جائے‘‘۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ: "اللہ تعالی کی رخصت کو قبول کرنا اسے اتنا ہی پسند ہے جتنا اس کے فرائض پر عمل کرنا اسے محبوب ہے"②۔

① احمد: ۱۱۲ / ۱، صحیح ابن خزیمۃ: ۹۵، صحیح ابن حبان: ۴۵۱ / ۶ بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

② صحیح ابن حبان: ۳۳۳ / ۸، الطبرانی الکبیر ۱۱۸۸۱ بروایت ابن عباس، اسکی سند صحیح ہے۔

اگر سفر میں روزہ رکھنا بھاری نہ ہوتو بندے کے لئے جو کام آسان ہو وہ کرے۔ اگر روزہ رکھنا اور افطار کرنا برابر ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے، کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفر میں روزہ رکھا ہے، اور اس لئے بھی کہ اس میں ادائیگی فرض سے جلدی فرصت مل جاتی ہے، اور اس لئے بھی کہ لوگوں کے ساتھ روزہ رکھنا اس کے لئے زیادہ باعث نشاط ہے۔

اور جہاں تک مریض کا تعلق ہے تو اگر مریض بغیر مشقت اور ضرر کے روزہ رکھ سکتا ہے تو اس پر روزہ رکھنا واجب ہے ورنہ افطار کرنا افضل ہوگا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ يُرِيدُ ٱللَّهُ بِكُمُ ٱلْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ ٱلْعُسْرَ﴾ [البقرة:۱۸۵]۔

"اور جو بیماری ہو یا مسافر ہو اسے دوسرے دنوں میں یہ گنتی پوری کرنی چاہئے، اللہ تعالی کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے سختی کا نہیں ہے"۔

اور اگر آدمی روزہ سے تھا اور دن میں وہ بیمار ہو گیا جس کی وجہ سے اس دن کا روزہ رکھنا اس کے لئے بھاری پڑ رہا ہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ افطار کر دے، خواہ یہ دن کے کسی بھی حصہ میں ہو۔ کیونکہ اس کے پاس افطاری کے جواز کا عذر ہے۔

اسی طرح وہ بوڑھا آدمی جو روزہ رکھنے سے عاجز ہے، وہ خود روزہ نہ رکھ کر روزآنا ایک مسکین کو کھانا کھلائے گا۔ اسے اس بارے میں اختیار حاصل ہے کہ وہ مسکینوں میں کھانا تقسیم کر دے، یا ہر مسکین کو ایک مد یعنی ۵۶۳ گرام گیہوں دے، یا کھانا پکا کر جتنے دن افطار کیا ہے اتنے مسکینوں کو بلا کر کھانا کھلا دے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ ایک سال وہ روزہ رکھنے سے عاجز آ گئے تو ایک

دیگ ثرید تیار کروائی اور تیس مسکینوں کو بلا کر اسے کھلا دیا[1]۔

اور وہ بوڑھا شخص جو اپنی تمیز کھو بیٹھا ہو، اس پر نہ روزہ رکھنا واجب ہے اور نہ کھانا کھلانا۔ کیونکہ اس کے اوپر سے شرعی ذمہ داری ساقط ہوگئی ہے، ہاں ایسا بوڑھا جس کی عقل وتمیز کچھ وقت باقی رہتی ہے اور کچھ وقت وہ تمیز کھو دیتا ہے تو تمیز کے وقت میں تو روزہ رکھنا واجب ہوگا البتہ تمیز کھونے کی صورت میں روزہ رکھنا واجب نہ ہوگا[2]۔ واللہ اعلم

اے اللہ ہم تیری ناراضگی سے بچتے ہوئے تیرے رضا کی پناہ چاہتے ہیں، تیری سزا سے بچتے ہوئے تیرے عفو و کرم کی پناہ چاہتے ہیں، ہم تجھ {تیرے غیظ و غضب} سے تیری پناہ {تیرے رحمت کی پناہ} چاہتے ہیں، ہم آپ سے یہ سوال کرتے ہیں کہ اچھے اخلاق و اعمال کی طرف ہماری رہنمائی فرما، کیونکہ اچھے اعمال و اخلاق کی طرف رہنمائی کرنے والا تیرے سوا کوئی نہیں ہے اور برے اخلاق و اعمال سے ہم کو دور رکھ کیونکہ برے اخلاق و اعمال سے دور کرنے والا تیرے علاوہ کوئی اور نہیں ہے۔

---

① الدارقطنی: ۲۰۷/ ۲، اسکی سند صحیح ہے۔

② مجالس رمضان ۲۸۵۔

انیسویں حدیث:

حیض اور نفاس والی عورتیں

عَنْ مُعَاذَةَ، قَالَتْ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ فَقُلْتُ:مَا بَالُ الْحَائِضِ تَقْضِي الصَّوْمَ، وَلَا تَقْضِي الصَّلَاةَ. فَقَالَتْ: أَحَرُورِيَّةٌ أَنْتِ؟ قُلْتُ: لَسْتُ بِحَرُورِيَّةٍ، وَلَكِنِّي أَسْأَلُ. قَالَتْ: »كَانَ يُصِيبُنَا ذَلِكَ، فَنُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّوْمِ، وَلَا نُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّلَاةِ« {صحیح البخاری: ۳۲۱ الطہارۃ، صحیح مسلم: ۳۳۵ الطہارۃ}

''حضرت معاذہ بنت عبداللہ العدویۃ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ حائضہ عورت روزہ کی قضا تو کرتی ہے اور نماز کی قضا نہیں کرتی؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: کیا تو حروریہ ہے؟[1] انہوں نے کہا: میں حروریہ نہیں ہوں، بلکہ صرف سوال کر رہی ہوں، آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہمیں بھی اس حالت سے دوچار ہونا پڑتا، ہمیں روزے کی قضا کا حکم دیا جاتا تھا اور نماز کی قضا کا حکم نہیں دیا جاتا تھا''۔

یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ حائضہ کیلئے اور اسی طرح باتفاق علماء نفاس والی عورت کے لئے روزہ رکھنا جائز نہیں ہے، بلکہ وہ رمضان میں افطار کریں گی اور بعد میں

---

[1] حروراء کوفہ کے قریب ایک جگہ ہے جہاں خارجیوں کا پہلا فرقہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغاوت کر کے قیام پذیر ہوا تھا، اس لئے جو شخص خارجیوں کا عقیدہ رکھتا ہے اسے حروری کہتے ہیں، دین میں انکے تشدد کا یہ عالم تھا کہ روزہ کی طرح عورت کو نماز کے قضا کا بھی حکم دیتے تھے۔

اس کی قضا کریں گی۔

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں سے سوال فرمایا: ''أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ ''قُلْنَ: بَلَى، قَالَ: ''فَذَلِكِ مِنْ نُقْصَانِ دِينِهَا'' ①''کیا ایسا نہیں ہے کہ جب عورت کو حیض آتا ہے تو وہ نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے؟ عورتوں نے جواب دیا: ایسا ہی ہے، تو آپ نے فرمایا: یہی اس کے دین کی کمی ہے''۔

عورتوں کے اوپر اللہ تعالی کی یہ بہت بڑی رحمت ہے، کیونکہ نماز دن میں کئی بار پڑھنی پڑتی ہے اور حیض تقریبا مہینہ میں ایک بار آتا ہے، اس حالت میں عورت کو نماز کی قضا کا حکم دینا اس کے لئے مشقت کا باعث تھا، لہٰذا اس کا حیض کے بعد پابندی کے ساتھ نماز کی ادائیگی کرنا اسے نماز کی قضا میں لگنے سے بے نیاز کر دیتا ہے، اس طرح نماز کی ادائیگی کی مصلحت اس کی قضا کو چھوڑ دینے سے فوت نہیں ہوتی، البتہ جہاں تک روزہ کا تعلق ہے وہ ایک سالانہ عبادت ہے جس کی قضا میں کوئی مشقت نہیں ہے۔ بلکہ اسی میں عورت کی مصلحت ہے، اللہ علیم وحکیم ہے۔

اگر روزہ دار عورت کو دن کے کسی حصہ میں حیض ونفاس کا خون آ گیا تو اس دن کا روزہ فاسد ہو گیا اور اس پر اس دن کی قضا واجب ہوگی، خواہ غروب آفتاب سے کچھ پہلے ہی کیوں نہ ہو، الا یہ کہ وہ روزہ نفلی ہو تو قضا بھی ضروری نہ ہوگی، کیونکہ قضا بھی ادا کے مانند ہے، [یعنی چونکہ اس روزے کا ادا کرنا ضروری نہیں تھا تو اس کی قضا بھی

① صحیح البخاری: ۳۰۴ الطہارۃ و ۱۹۵۱ الصوم امام مسلم نے اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عروہ رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے دیکھئے صحیح مسلم: ۹۶،۹۷ / امع منتہ المنعم۔

ضروری نہیں ہے]۔

عورت کو چاہئے کہ ان ایام میں اپنے روزہ ٹوڑنے کو لوگوں سے پوشیدہ رکھے اور ظاہر کرتی نہ پھرے، کیونکہ اس کے افطار کا سبب ایک پوشیدہ امر ہے، اور اس لئے بھی کہ اسکے اوپر کسی تہمت کا سبب نہ بنے۔ اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی جاہل اسے افطار کرتے دیکھے اور یہ سمجھ لے کہ رمضان میں بلا عذر بھی افطار کیا جا سکتا ہے۔

اگر عورت حیض کی علامت محسوس کرتی ہے جیسے درد یا کسی چیز کے نکلنے کا احساس اسے ہوتا ہے لیکن کوئی چیز غروب کے بعد ہی ظاہر ہو رہی ہے تو اس کا روزہ صحیح ہے، کیونکہ افطار کا حکم حیض کے ظاہری وجود پر معلق ہے اور اس وقت تک حیض ظاہر میں موجود نہیں ہے۔

اور اگر کوئی حائضہ عورت رمضان المبارک کے دن میں کسی وقت پاک ہو جاتی ہے تو باقی دن کا روزہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ دن کی ابتدا میں روزے کی منافی چیز موجود تھی۔

بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ وقت کے احترام میں وہ دن کا باقی حصہ بھی کھانے پینے سے رکی رہے گی اور ساتھ ہی ساتھ اس دن کی قضا بھی اس پر واجب ہے۔ اس کے برخلاف بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ دن کا باقی حصہ اسے کھانے پینے سے رکے رہنا واجب نہیں ہے، کیونکہ اس رکے رہنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، اس لئے کہ اس دن کی قضا اس پر واجب ہی ہے۔ بظاہر یہی مسلک زیادہ صحیح ہے۔ واللہ اعلم

عورت اگر رمضان المبارک کی رات میں پاک ہو جائے خواہ چند منٹ پہلے ہی ہو، اس طرح کہ اس کا خون رک گیا ہو اور پاکی کی علامت ظاہر ہوگئی ہو تو اس پر اس دن روزہ رکھنا واجب ہے، کیونکہ وہ اب روزہ والی ہے {یعنی روزہ کی مکلف ہے} اگرچہ

غسل فجر طلوع ہونے کے بعد کرے۔ جیسا کہ ابھی یہ موضوع گزر چکا ہے، اس لئے کہ غسل سے فارغ ہونا روزہ رکھنے کے لئے شرط نہیں ہے۔

اور نفاس والی عورت جب چالیس دن پورے ہونے سے قبل پاک ہوجائے اور وہ ایام رمضان کے ہیں تو اس پر روزہ رکھنا واجب ہوگا اور وہ ہر وہ کام کریگی جو ایک پاک عورت کرتی ہے۔ کیونکہ اقل نفاس کی کوئی حد متعین نہیں ہے۔

البتہ جہاں تک استحاضہ والی عورت کا تعلق ہے تو واضح رہے کہ استحاضہ روزہ رکھنے میں مانع نہیں ہے، کیونکہ حدیث کا تعلق حیض و نفاس سے ہے۔ نیز اس لئے بھی کہ استحاضہ کا خون برابر جاری رہتا ہے، جبکہ حیض کا خون وقتی ہوتا ہے۔ اور اس لئے بھی کہ استحاضہ کا خون نماز اور طواف میں رکاوٹ نہیں بنتا تو روزہ میں بھی رکاوٹ نہیں ہے۔ اس پر اہل علم کا اجماع ہے۔ ویسے اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

اے جبرئیل و میکائیل کے رب! ہم عذاب قبر سے تیری پناہ میں آتے ہیں، آگ کی گرمی سے تیری پناہ چاہتے ہیں۔ اور نہ ڈرنے والے دل، قبول نہ کی جانے والی دعا، آسودہ نہ ہونے والے نفس اور نفع نہ دینے والے علم سے تیری پناہ چاہتے ہیں، اے اللہ ہمیں معاف فرما، ہمارے والدین کو معاف فرما اور تمام مسلمانوں کو معاف فرما دے۔ آمین

بیسویں حدیث:

اعتکاف کا بیان

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: ''كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْتَكِفُ العَشْرَ الأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ''.

{صحیح البخاری:۲۰۲۵ الاعتکاف، صحیح مسلم ۱۱۷۱ الصوم}

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان المبارک کے آخری عشرہ کا اعتکاف فرماتے تھے''۔

یہ حدیث اعتکاف اور مسجد میں گوشہ نشینی کی فضیلت پر دلیل ہے، خاصکر رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی وفات تک رمضان کے آخری عشر کا اعتکاف کرتے رہے اور جو کام بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طاعت وقربت کی نیت سے کیا ہے وہ ہمارے لئے مستحب ہے۔

اعتکاف کرنا صرف اسی مسجد میں صحیح ہوگا جس میں جماعت کا اہتمام ہوتا ہے، اور اگر اعتکاف کے دوران جمعہ کا دن پڑتا ہو تو احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ اگر میسر ہو جامع مسجد ہی میں اعتکاف کیا جائے، کیونکہ بعض اہل علم اس کی {اعتکاف کے لئے جمعہ مسجد کی} شرط لگاتے ہیں۔

جمہور اہل علم کے نزدیک اعتکاف کرنے والے کو چاہیئے کہ اکیسیوں شب سورج غروب سے قبل اپنی اعتکاف گاہ میں داخل ہو جائے، جیسا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث نبوی میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مَنْ كَانَ

اعْتَكَفَ مَعِي، فَلْيَعْتَكِفِ العَشْرَ الأَوَاخِرَ''[1] ''جس نے میرے ساتھ {درمیانی عشرہ کا} اعتکاف کیا ہے وہ آخری عشرہ کا بھی اعتکاف کرے''۔

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اعتکاف کا ایک مقصد شب قدر کی تلاش ہے، اوراس کی امید طاق راتوں میں زیادہ ہوتی ہے، اور پہلی طاق رات اکیسویں شب ہے۔

آخری عشرہ کے مسجدوں میں اعتکاف کے بڑے عظیم فوائد ہیں، کیونکہ اس میں دنیا کی مشغولیات اور زندگی کے کاموں سے وقتی طور پر فراغت میسر آتی ہے اور اس میں مکمل طور پر اللہ تعالی سے لو لگانے کا موقعہ ملتا ہے۔

اور چونکہ اعتکاف کرنے والا اللہ کے گھروں میں سے کسی ایک گھر میں عبادت کیلئے کنارہ کش ہوتا ہے اس لئے عورتوں کے ساتھ ہمبستری اور بوس وکنار جیسے تعلقات قائم کرنے سے اسے روکا گیا ہے۔ اسی طرح اعتکاف کرنے والے کو مسجد سے باہر نکلنے سے بھی روکا گیا ہے الا یہ کہ ضروری کاموں کے لئے نکلنا پڑے، جیسے احتلام لاحق ہو تو غسل جنابت، اور اگر مسجد میں بیت الخلا نہیں ہے تو پیشاب و پیخانہ کے لئے نکلنا، نیز اگر کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو اس کے کھانے پینے کا سامان لے آئے تو وہ کھانا وغیرہ کیلئے بھی نکل سکتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر اعتکاف میں ہوتے تو صرف انسانی ضرورت ہی کے لئے گھر میں داخل ہوتے[2]۔

---

[1] صحیح البخاری: ۲۰۱۸ الاعتکاف، صحیح مسلم: ۱۱۶۷ الصوم۔
[2] صحیح البخاری: ۲۰۲۹ الاعتکاف، صحیح مسلم: ۲۹۷ الفاظ صحیح مسلم کے ہیں۔

البتہ وہ نیکی کے کام جو اس کے اوپر واجب نہیں ہیں جیسے مریض کی عیادت اور نماز جنازہ میں شرکت وغیرہ تو اس کے لئے نکلنا جائز نہیں ہے، الا یہ کہ ابتدائے اعتکاف میں اس نے اس کی شرط لگالی ہو۔ جیسا کہ بعض علماء کا قول ہے۔ واللہ اعلم

اعتکاف کرنے والے کیلئے ضروری ہے کہ وہ اعتکاف کی حکمت کو دھیان میں رکھے، چنانچہ اسے چاہئے کہ اپنا وقت نماز، تلاوت قرآن اور ذکر واذکار میں صرف کرے، اپنے وقت سے مستفید ہوتا رہے۔ اس کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ وہ علم حاصل کرے اور توحید، تفسیر وحدیث کی مفید کتابیں پڑھے۔ نیز اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ اپنے اہل وعیال وغیرہ کے ساتھ مصلحت کے پیش نظر کچھ جائز باتیں بھی کر لے۔ جیسا کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعتکاف میں تھے، ایک رات میں آپ کی زیارت کے لئے آئی اور آپ سے { دیر تک } باتیں کرتی رہی، پھر جب میں واپس ہونے کے لئے اٹھی تو آپ ہمیں رخصت کرنے کیلئے اٹھے... الحدیث { صحیح البخاری ۲۰۳۵ الاعتکاف، صحیح مسلم: ۲۱۷۵ الصوم }

اے اللہ خلوت وجلوت ہر حالت میں ہم آپ سے خوف کھانے کا سوال کرتے ہیں، اے اللہ غضب ورضا ہر حالت میں ہم آپ سے کلمہ حق کی توفیق کا سوال کرتے ہیں، اے اللہ غضب ورضا ہر حالت میں ہم آپ سے میانہ روی کی توفیق چاہتے ہیں، ہم آپ سے ایسی نعمت کا سوال کرتے ہیں جو ختم نہ ہو، ایسی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سوال کرتے ہیں جو ختم نہ ہو، ہمیں آپ کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھنے کی لذت نصیب ہو، اے اللہ ہمیں بخش دے ہمارے والدین کو بخش دے اور تمام مسلمانوں کو بخش دے۔ آمین

آخری عشرہ کے اسباق

پہلی حدیث:

آخری عشرہ میں مجاہدہ اور کوشش

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، "إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ، أَحْيَا اللَّيْلَ، وَأَيْقَظَ أَهْلَهُ وَجَدَّ وَشَدَّ الْمِئْزَرَ". {صحیح البخاری: ۲۰۲۴، صحیح مسلم: ۱۱۷۴}

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رمضان کا آخری عشرہ شروع ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راتوں کو جاگتے ، اپنے اہل وعیال کو بھی بیدار رکھتے ، سخت محنت کرتے اور کمر کس لیتے''۔

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ" اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری عشرہ میں جس قدر مجاھدہ وکوشش سے کام لیتے دوسرے دنوں یا عشروں میں ویسا نہ کرتے"۔

یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ رمضان کے آخری عشرہ کوم طاعت وعبادت جیسے نماز اور ذکر وتلاوت قرآن میں دوسرے عشروں کے مقابلہ میں امتیازی حیثیت حاصل ہے۔

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس عشرہ سے متعلق ہمارے نبی و پیشوا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چار صفات بیان کی ہیں۔

1) ''راتوں کو جاگتے تھے''۔

{اس کے لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے" راتوں کو زندہ رکھنے" کا لفظ استعمال کیا ہے، جس کا} معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات جاگ کر طاعت وعبادت سے اسے زندہ رکھتے اور اس میں بیدار رہ کر اپنے آپ کو زندہ رکھتے۔

اسکی وجہ یہ ہے کہ نیند موت کی ایک شکل ہے، اس طرح معنی یہ ہوا کہ اللہ رب العالمین کی عبادت اور تہجد کے ذریعہ رات کو زندہ رکھتے {یعنی بالکل ہی نہ سوتے]۔

یاد رہے کہ عبداللہ بن عمرو کی وہ حدیث [1] جس میں پوری رات تہجد پڑھنے کی نہی وارد ہے تو اس سے وہ شخص مراد ہے جو پورے سال تمام راتوں میں علی سبیل الدوام قیام کرتا ہے [2]۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ زیر بحث حدیث میں رات کے اکثر حصے میں بیدار رہنا مراد ہو، جس کی تایید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں ان کا بیان ہے کہ میں نے نہیں دیکھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی رات کا قیام صبح تک کیا ہو۔

2) ''اپنے اہل کو بیدار رکھتے''۔

یعنی اپنی ازواج مطہرات امہات المومنین رضی اللہ عنہن کو بھی بیدار رکھتے تا کہ وہ بھی ان مبارک اوقات میں ذکر وعبادت اور خیر وبھلائی کے کاموں میں آپ کے ساتھ شریک رہیں۔

3) ''محنت کرتے''۔

یعنی رمضان کے دونوں عشروں {پہلے اور دوسرے عشرے} کے مقابلہ میں اس عشرہ میں زیادہ مجاہدہ ومحنت سے کام لیتے، کیونکہ اسی عشرہ میں شب قدر ہوتی ہے۔

4) ''کمر کس لیتے''۔

یعنی عبادت میں خوب محنت کرتے اور کوشش ومجاہدہ سے کام لیتے۔

---

① صحیح بخاری:1974 صحیح مسلم:1159 مجموع الفتاوی:22/308-

② صحیح مسلم:۷۴۶، دیکھئے لطائف المعارف ۲۱۶،۲۱۷۔

اس کا ایک معنی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ" بیویوں سے الگ رہتے"۔

یہی معنی زیادہ قریب ہے، کیونکہ اس کا عطف اس سے ماقبل پر ہے {یعنی آپ خوب محنت کرتے اور کمر کس لیتے ،تو اگر دونوں کا معنی ایک ہی ہو تو اس کے ذکر کا کوئی فائدہ نہیں ہے}۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس عشرہ کا اعتکاف بھی کرتے اور اعتکاف کرنے والے کو عورتوں کے قریب جانے سے روکا گیا ہے۔

یہ عشرہ مہینہ کا آخر ہے اور اعمال {کے حسن و قبح اور قبول ورد} کا دارو مدار اس کے خاتمے پر ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ انسان رب العالمین کے لئے قیام میں ہو اور اسی حالت میں اسے لیلۃ القدر نصیب ہو جائے تو اس کے تمام ماسبق گناہ معاف کردئے گئے۔

اسلئے مسلمان کو چاہئے کہ مہینہ جس قدر گھٹتا جائے وہ اپنی عبادت میں اسی قدر بڑھتا جائے اور اطاعت الٰہی میں صبر سے کام لیتا رہے۔ کیونکہ کہ اعمال کا اعتبار انجام کار پر ہے۔

اس امت کے سلف صالحین اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتدا میں ان راتوں میں لمبا قیام کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت سائب بن یزید رحمہ اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت تراویح پڑھائیں۔

وہ مزید بیان کرتے ہیں کہ اس وقت امام لوگوں کو {ایک رکعت میں} سو آیتوں والی سورتیں پڑھاتا تھا، حتی کہ لمبے قیام کی وجہ سے لوگ اپنی چھڑیوں پر ٹیک لگا لیتے تھے۔ اور ہم تراویح سے طلوع فجر کے قریب فارغ ہوتے [1]۔

مومن کے لئے رمضان میں دو جہاد جمع ہیں {یعنی دو ایسے کام ہیں جن میں محنت کرنا

[1] موطا امام مالک: ۱۱۵/۱۔

چاہئے }، دن میں روزہ پر جہاد اور رات میں قیام پر جہاد۔ تو جس شخص نے ان دونوں جہاد کو اپنے اندر جمع کر لیا اور ان کے پورے حقوق ادا کئے تو اس کا شمار ان صبر کرنے والوں میں ہوگا جنھیں بغیر حساب اجر سے نوازا جائے گا۔

نیز آدمی کو چاہئے کہ وہ اپنے اہل وعیال کو بھی عبادت پر ابھارے، انھیں ترغیب دے اور ہمت دلائے، خاصکر ان عظیم موسموں میں جن سے صرف محروم شخص ہی غافل رہتا ہے۔

آج کل { رمضان کی راتوں میں } بیدار رہنا تو بڑا آسان کام ہے لیکن مقصد یہ ہے کہ اہل وعیال کو یہ توجہ دلائی جائے کہ رات کی گھڑیوں سے مستفید ہوں اور قیل وقال میں اسے ضائع کرنے سے بچیں۔

اور اس بارے میں سب سے برا یہ ہے کہ جس وقت لوگ تہجد و نماز پڑھنے میں مشغول ہوں ان اوقات کو حرام مجلسوں اور گناہوں کی محفلوں میں گزارا جائے۔ حقیقتاً اصل خسارہ یہی ہے۔ اللہ تعالی سے ہم اس سے بچنے کا سوال کرتے ہیں۔

اے اللہ زندگی کے باقی حصے کو غنیمت سمجھنے کے لئے ہمیں بیدار کر دے، خیر کا توشہ اور زیادہ توشہ جمع کرنے کی توفیق بخش۔ ہمارا شمار ان لوگوں میں کر جن کے روزے آپ نے قبول فرما لئے، اپنی اطاعت کی ایسی سعادت بخش کہ اس سے اپنے مستقبل کے لئے تیاری کر لی ہے اور آپ نے اس کی کوتاہیوں اور لغزشوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ اے اللہ ہمیں معاف فرما، ہمارے والدین کو بخش دے اور تمام مسلمانوں کو بخش دے۔

دوسری حدیث:

شب قدر کی فضیلت کا بیان

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: مَنْ قَامَ لَيْلَةَ القَدْرِ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ.(صحیح البخاری: ۲۰۱۴ لیلۃ القدر، صحیح مسلم: ۷۵۹)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے شب قدر کا قیام کیا، اس کے تمام ماسبق گناہ معاف کردیئے گئے"۔

یہ حدیث شب قدر کی اور اس میں قیام کی فضیلت پر دلیل ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جس شخص نے بھی اللہ تعالی کے اس وعدے کی تصدیق کرتے ہوئے جو ان راتوں میں قیام کرنے والے کیلئے اللہ تعالی نے تیار کررکھا ہے، مزید یہ کہ اجر وثواب کی نیت سے اس رات کا قیام کیا تو اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کردیئے گئے۔

یہ بڑی عظیم رات ہے جسے اللہ تعالی نے وہ شرف ومنزلت بخشی ہے کہ برکت میں اور اس رات میں عمل صالح کی برکت میں یہ شب ہزار مہینوں سے بھی بہتر ہے۔ گویا کہ اس رات میں عبادت ہزار مہینہ کی عبادت سے افضل ہے، جو کل تراسی سال اور چار مہینہ ہوتے ہیں۔

اس شب کی ایک برکت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالی نے اس رات میں قرآن مجید کو نازل فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ فِى لَيْلَةِ ٱلْقَدْرِ ۝١ وَمَآ أَدْرَىٰكَ

مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ﴿٢﴾ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ﴿٣﴾ تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ ﴿٤﴾ سَلَامٌ هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ﴾

[سورة القدر] ''یقینا ہم نے اسے شب قدر میں نازل کیا، تو نے کیا سمجھا کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ایک ہزار مہینوں سے افضل ہے، اس میں ہر کام کو سرانجام دینے کو اپنے رب کے حکم سے فرشتے اور روح {جبرئیل} اترتے ہیں، یہ رات سراسر سلامتی ہے اور فجر کے طلوع ہونے تک رہتی ہے''۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ فرمان الٰہی: ﴿تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ﴾ یعنی کثرت برکت کی وجہ سے اس رات میں فرشتوں کا نزول بکثرت ہوتا ہے، اور فرشتوں کا نزول برکتوں اور رحمتوں کے نزول کی ہی وجہ سے ہوتا ہے، جس طرح کہ فرشتے تلاوت قرآن کے وقت نازل ہوتے ہیں اور ذکر کی مجلسوں کے گرد حلقہ بنالیتے ہیں اور سچے طالب علم کی تعظیم کے طور پر اس پر اپنا پر پھیلا دیتے ہیں[1]۔

فرمان الٰہی "لیلۃ القدر" میں قدر کی دال پر سکون پڑھا جائے گا،" قدر" کا معنی یا تو شرف ومنزلت کا ہے، جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص عظیم القدر ہے یعنی بڑے اونچے مقام ومرتبہ والا ہے۔ اس طرح گویا موصوف کی نسبت اس کی صفت کی طرف کی گئی ہے یعنی یہ رات بڑی شرف ومنزلت والی رات ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قدر کا معنی اندازہ کرنے اور فیصلہ کرنے کا ہو۔ اس طرح گویا رات کی نسبت قدر کی طرف ایسی ہے جیسے ظرف {برتن} کی نسبت اس میں رکھی ہوئی چیز کی طرف ہوتی ہے {یعنی برتن

---

① تفسیر ابن کثیر: ۸/۴۶۵۔

کی نسبت پانی کی طرف جیسے کہا جاتا ہے" پانی کا برتن" } یعنی وہ رات جس میں سال بھر میں پیش آنے والے امور کا فیصلہ ہوتا ہے۔

جیسا کہ ایک دوسری جگہ ارشاد باری تعالی ہے :﴿فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ﴾ [الدخان: ۴] ''اس رات میں ہر مبنی بر حکمت کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے''۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس رات میں سال بھر پیش آنے والے امور کا فیصلہ ہوتا ہے [1]۔

امام ابن القیم لکھتے ہیں کہ یہی معنی صحیح ہے [2]۔

لیکن بظاہر دونوں معنی مراد لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ واللہ اعلم

خلاصہ یہ کہ یہ بہت ہی عظیم رات ہے، اللہ تعالی نے قرآن کے نزول کی ابتدا کے لئے اس کا انتخاب کیا ہے۔ اس لئے مسلمان کو چاہئے کہ اس رات کی قدر ومنزلت کو پہچانے اور ایمان اور ثواب کی نیت رکھتے ہوئے اس رات کو جاگنے کا اہتمام کرے، نیز چاہئے کہ اس عشرے کی جن میں راتوں میں شب قدر ہونے کی امید کی جاتی ہے بکثرت دعا کرے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ کثرت سے دعا کرنا تو ہر وقت مستحب ہے اور رمضان میں اور زیادہ مستحب ہے۔ آخری عشرہ میں تو اس کا استحباب اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ پھر آخری عشرہ کی طاق راتوں میں مستحب در مستحب ہے۔ لہٰذا بہتر ہے کہ درج ذیل دعا کو کثرت سے پڑھے: ''اللَّهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ

---

① تفسیر الطبری: ۲۵/ ۶۵، فضائل الاوقات للبیهقی: ۲۱۶، اس اثر کی سند صحیح ہے۔

② شفاء العلیل: ۴۲۔

عَنِّي''[1].

چنانچہ اسی حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا کہ اے اللہ کے نبی آپ یہ بتلائیں کہ اگر میں جان جاؤں کہ لیلۃ القدر ہمیں مل گئی ہے تو میں کیا دعا کروں؟ آپ نے فرمایا: تم کہو :"اللَّهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي". ''اے اللہ تو بہت معاف کرنے والا ہے اور معاف کرنے کو پسند فرماتا ہے لہٰذا ہمیں معاف کردے''[2]۔

اے اللہ تعالی ہم آپ سے دنیا وآخرت میں عافیت کا سوال کرتے ہیں۔ اے اللہ ہم آپ سے اپنے دین، اپنی دنیا اور اپنے اہل ومال میں عفو وعافیت کا سوال کرتے ہیں۔ اے اللہ ہمارے عیوب پر پردہ ڈال، خوف سے ہمیں امن عطا فرما، ہمیں آگے اور پیچھے سے محفوظ رکھ، دائیں اور بائیں سے محفوظ رکھ، ہمارے اوپر سے بھی ہمیں محفوظ رکھ اور ہم اس بات سے تیری عظمت کی پناہ میں آتے ہیں کہ ہمیں ہمارے نیچے سے اکھاڑ دیا جائے۔

[1] سنن الترمذی: ۳۵۱۳، سنن النسائی الکبری: ۹/ ۳۲۲، سنن ابن ماجہ: ۳۸۵۰، مسند احمد: ۲۲/ ۲۲۶ بروایت عائشہ۔

[2] دیکھئے تفسیر ابن کثیر: ۸/ ۴۷۲۔

تیسری حدیث:

شب قدر کی تلاش

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: ”كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُجَاوِرُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ، وَيَقُولُ: تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ“.

وفي رواية:"تحروا ليلة القدر في الوتر من العشر الأواخر من رمضان". (صحیح البخاری:2017 الصیام، صحیح مسلم:1169 الصیام)

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف کرتے اور فرماتے: رمضان کے آخری عشرے میں شب قدر کو تلاش کرو“۔

ایک اور روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ" رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں شب قدر کو تلاش کرو"۔

یہ حدیث اس امر پر دلیل ہے کہ ایک مسلمان سے یہ مطالبہ ہے کہ رمضان المبارک کے آخری عشرے میں شب قدر کو تلاش کرے جس کا طریقہ یہ ہے کہ اس عشرے کی راتوں میں قیام اور اللہ کی عبادت کے لئے شب بیداری کرے۔

حدیث کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس عشرے کا مسجد میں اعتکاف فرماتے اور لوگوں کو بھی تاکید فرماتے کہ اس عشرے میں عمل صالح کا خصوصی اہتمام کر کے شب قدر کو تلاش کریں۔

متعدد صحیح حدیثیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ مسلمان کو چاہئے کہ آخری عشرہ کی طاق راتوں میں شب قدر کی جستجو کرے، اور اگر آخری عشرہ کی تمام طاق راتوں میں شب قدر کو تلاش کرنے سے عاجز ہو یا کمزور پڑے تو آخری سات راتوں کی طاق راتیں چھوٹنے نہ پائیں، یعنی پچیسویں، ستائیسویں اور انتیسویں راتیں۔

حق کے زیادہ قریب یہ ہے کہ شب قدر [عموما] ستائیسویں شب میں ہوتی ہے، جیسا کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، وہ کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم! میں جانتا ہوں کہ وہ کونسی رات ہے؟ یہ وہی رات ہے جس کے قیام کا ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا ہے اور وہ ہے ستائیسویں شب۔

حق یہ ہے کہ شب قدر ہر سال کسی ایک ہی رات کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ وہ منتقل ہوتی رہتی۔ مثال کے طور پر کبھی [رمضان کی] ستائیسویں شب ہوتی ہے تو دوسرے سال اللہ تعالی کی مشیت وقدرت کے تحت پچیسویں شب ہوتی ہے۔ حدیثوں سے یہی پتا چلتا ہے[1]۔

شب قدر کی تعیین کو امت سے پوشیدہ رکھا گیا ہے، جس طرح کہ جمعہ کے دن کی مبارک گھڑی کی تعیین کسی کو معلوم نہیں ہے۔ اس کے پوشیدہ رکھنے میں ایک بہت بڑی حکمت یہ پوشیدہ ہے کہ مسلمان اس رات کے تلاش کرنے کا اہتمام کریں، ان کی ہمت بڑھے اور جستجو تڑپ ہو۔ اس لئے کہ اگر اس کی تعیین ہو جاتی تو مہینے کے باقی حصے میں ہمتیں پست رہتیں اور صرف اسی رات عبادت پر اکتفا کرتے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

① المفہم 3/ 251، فتح الباری 4/ 265، اور کتابچہ شرح الصدر للعراقی ص:48۔

ہمیں لیلۃ القدر کی خبر دینے کے لئے باہر تشریف لائے تو دو آدمی آپس میں جھگڑتے ہوئے مل گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں گھر سے نکلا کہ تم لوگوں کو شب قدر کی اطلاع دوں، لیکن فلاں وفلاں شخص راستے میں جھگڑتے ہوئے ملے جس کی وجہ سے اس شب کی تعیین بھلا دی گئی، امید ہے کہ یہ تمہارے لئے بہتر ہی ہوگا، لہٰذا اب اسے [آخری عشرے کی] نویں، ساتویں یا پانچویں راتوں میں تلاش کرو۔

حدیث کے الفاظ" فلاں اور فلاں کے لڑنے جھگڑنے لگے" کا مطلب یہ ہے کہ دونوں باہم لڑ رہے تھے حتی کہ دونوں ایک دوسرے پر آواز بلند کرنے لگے اور گالی وگلوچ پر اتر آئے۔ چونکہ یہ ایک قسم کی نحوست ہے، جسکی وجہ سے لوگ شب قدر کی [تعیین کی] برکت سے محروم کر دئے گئے۔ اللہ تعالی کے علم ازلی میں ایسا ہی تھا۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس حدیث میں اس شخص کے قول پر دلیل ہے جو یہ کہتا ہے کہ لڑائی جھگڑا نفع بخش علم اور علمی فائدے کے درمیان حائل ہو جاتا ہے، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ: **ان العبد لیحرم الرزق بالذنب الذی یصیبه** بندہ اپنے گناہ کی وجہ سے روزی سے محروم کر دیا جاتا ہے [1]۔

اسی طرح حدیث کے الفاظ" اس رات کو اٹھا لیا گیا" سے مراد یہ ہے کہ اس رات کی تعیین بھلا دی گئی، نہ کہ اس رات ہی کو اٹھا لیا گیا، کیونکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعد میں فرمایا: اسے تلاش کرو جب نویں شب باقی رہے، جب ساتویں شب باقی رہے اور جب پانچویں شب باقی رہے۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر 8 / 471۔ جس حدیث کا ذکر امام ابن کثیر نے کیا ہے وہ ایک لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے دیکھئے السلسلۃ الصحیحۃ للالبانی: 154۔

لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ اس خیر کو حاصل کرنے کہ فکر کریں، آخری عشرہ کی راتوں میں تلاوت قرآن، ذکر ودعا اور باقی رہنے والے دیگر اعمال خیر میں مشغول رہکر اس رات [کی فضیلت] کے حصول کی کوشش کریں۔

اے اللہ ہمارا شمار ان لوگوں میں کر جنہوں نے رمضان کے روزہ رکھا، لیلۃ القدر سے سرفراز ہوئے اور اجر عظیم کے مستحق ٹھہرے۔ اے اللہ ہمیں ان لوگوں میں شمار کر جو نیکیوں کی طرف سبقت کرنے والے اور جنت کے بالا خانوں میں امن وامان سے بسیرا کرنے والے ہوں۔ اے اللہ ہمیں اپنی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے اور عمدہ طریقے پر اپنی عبادت کرنے کی توفیق بخش۔ اے اللہ ہماری مغفرت فرما، ہمارے والدین کو بخش دے اور تمام مسلمانوں کو بخش دے۔

رمضان کے آخری عشرہ کی خاص دعا:

”اللَّهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَفَاعْفُعَنِّي“.

چوتھی حدیث:

رات کے آخری حصہ میں دعا کرنے کی فضیلت

عن أبي هريرة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم " قال: "يَنزلُ ربنا عَز وجَل كُل ليلة إلى سَماء الدنيا حين يَبْقَى ثُلُثُ الليلِ الآخِرِ، فيقوَل: مَنْ يَدْعُوني فأَسْتَجِّيبَ له، مَن يَسْألُنِي فأعطيه، من يَستغفِرُني فأغْفِرَ له ".{صحیح بخاری:3/29 صحیح مسلم:758}

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب رات کا آخری تیسرا حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اللہ تبارک وتعالی سمائے دنیا پر نازل ہوتا ہے اور ندا دیتا ہے کہ کون ہے جو مجھ سے دعا مانگ رہا ہے کہ میں اس کی دعا قبول کروں، کون ہے جو مجھ سے کچھ مانگ رہا ہے کہ اس کا سوال پورا کروں اور کون ہے جو مجھ سے معافی طلب کرر ہا ہے کہ اسے معاف کردوں“۔

رات کے آخری حصہ میں دعا کرنے، اللہ تعالی سے کچھ طلب کرنے اور استغفار کی فضیلت پر یہ حدیث واضح دلیل ہے۔ نیز یہ کہ اس وقت کی گئی دعا قبول ہوتی ہے، بشرطیکہ دعا کی شرطیں مکمل ہوں اور اس کی قبولیت میں رکاوٹ بننے والے امور مفقود ہوں۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالی وعدہ فرما رہا ہے کہ جو اس سے دعا مانگے گا اس کی دعا قبول کرے گا اور جو اس سے کسی چیز کا سوال کرے اسے عطا کرے گا اور جو کوئی اس سے مغفرت طلب کرے گا اسے معاف کردے گا۔

نیز اللہ تبارک وتعالی نے اپنے ان مومن بندوں کی جو جنت کے وارث بننے والے

اور اس میں ہمیشہ ہمیش رہنے والے ہیں، ان کی اس بات پر تعریف کی ہے اور انہیں سراہا ہے کہ وہ سحر کے وقت استغفار کرتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے: ﴿ٱلصَّٰبِرِينَ وَٱلصَّٰدِقِينَ وَٱلْقَٰنِتِينَ وَٱلْمُنفِقِينَ وَٱلْمُسْتَغْفِرِينَ بِٱلْأَسْحَارِ﴾ [آل عمران:۱۷] ''جو صبر کرنے والے اور سچ بولنے والے اور فرمابرداری کرنے والے اور اس کی راہ میں خرچ کرنے والے اور پچھلی رات کو بخشش مانگنے والے ہیں''۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے: ﴿وَبِٱلْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾ [الذاریات:۱۸] ''اور وقت سحر استغفار کرنے والے ہیں''۔

یہ ایسا وقت ہے کہ بندے کو چاہئے کہ ہر موسم میں اور خصوصا رمضان المبارک کے آخری عشرے میں اس وقت کو غنیمت سمجھے اور اسے غفلت و سستی میں اور سو کر نہ گزار دے۔ اس لئے کہ یہ نزول الٰہی کا وقت ہے، واضح رہے کہ یہ ایسا نزول ہے جو اس کی عظمت وجلال کے شایان شان ہے، نہ ہم اس کی کیفیت بیان کرتے ہیں اور نہ ہی اس کی کوئی مثال دیتے ہیں، جیسا کہ علامہ قحطانی اپنے قصیدہ نونیہ میں لکھتے ہیں:

والله ينزل كل آخر ليلة

لسمائه الدنيا بلا كتمان

ويقول هل من سائل فأجيبه

فأنا القريب أجيب من ناداني

حاشا الإله بأن تكيف ذاته

فالكيف والتمثيل منتفيان

''اور اللہ تعالی ہر رات کے آخری حصے میں سمائے دنیا پر نزول فرماتا ہے جس میں

کوئی پوشیدگی نہیں ہے۔ اور فرماتا ہے کہ ہے کوئی مانگنے والا کہ میں اسے دوں، میں نزدیک ہی ہوں، جو مجھے پکارتا ہے اس کی پکار کا جواب دیتا ہوں۔ اللہ تعا کی شان اس سے بہت عظیم ہے کہ اس کی ذات کی کیفیت بیان کی جائے، کیفیت اور مثال دونوں اس کی ذات سے بعید ہیں۔

ان مبارک راتوں میں ایک مسلمان کے لئے کئی بہترین مواقع جمع ہیں، (۱) رات کی وہ گھڑی جس میں دعا قبول ہوتی ہے، (۲) باری تعالی کا نزول [اور بندوں سے قریب ہونا]، (۳) حالت سجدہ، (۴) اور افضل وقت یعنی رمضان۔

یہی وجہ ہے کہ اس امت کے نیک بزرگ حضرات اپنے نبی کی اقتدا میں قیام اللیل پر اور بالاخص رمضان میں مداومت کرتے تھے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''**إن في الليل لساعة لا يوافقها رجل مسلم يسأل الله خيرا من أمر الدنيا والآخرة إلا أعطاه إياه وذلك كل ليلة**'' (صحیح مسلم: 757).

''رات میں ایک گھڑی ایسی ہے کہ جس مسلمان کو وہ میسر آجائے اور اس میں وہ دنیا اور آخرت کے معاملے میں کسی بھلائی کا سوال کرے تو اللہ تعالی اسے ضرور عطا فرما دیتا ہے، اور وہ گھڑی ہر رات کو ہوتی ہے''۔

اس لئے مسلمان کو چاہئے کہ تہجد کا اہتمام کرے اور دعا کی قبولیت کے جو اسباب ہیں ان کو پورا کرے۔ جیسے اللہ کے لئے خلوص نیت، حضور قلب، پوری امید اور نیک اعمال اور نفلی عبادات کے ذریعہ اللہ تعالی کا تقرب۔

اے اللہ ہم آپ سے جنت اور جنت سے قریب لے جانے والے قول وعمل کا سوال کرتے ہیں، جہنم اور اس سے قریب کرنے والے قول وعمل سے تیری پناہ چاہتے ہیں۔ تجھ سے ہدایت، تقوی، پاکبازی اور اوروں سے بے نیازی کا سوال کرتے ہیں۔ ہم تجھ سے ایسے عمل کی توفیق چاہتے ہیں جو تیری رضا کے موافق ہوں، اے اللہ ہمیں بخش دے، ہمارے والدین کو بخش دے اور تمام مسلمانوں کو بخش دے۔

پانچویں حدیث:

جنت اور اہل جنت کی بعض صفات کا بیان

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال: قال اللَّهُ عز وجل : ”أَعْدَدْتُ لِعِبَادِي الصَّالِحِينَ، مَا لاَ عَيْنٌ رَأَتْ، وَلاَ أُذُنٌ سَمِعَتْ، وَلاَ خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ، فاقرؤا ان شئتم ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ﴾ سورة السجدة:١٧. {صحیح البخاری:٣٢٤٤، صحیح مسلم:٢٨٢٤}

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالی کا فرمان ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ وہ چیزیں تیار کر رکھی ہیں جو کسی آنکھ نے نہیں دیکھا، کسی کان نے سنا نہیں اور نہ ہی کسی انسان کے وہم وگمان میں اس کا گزر ہوا۔ اور اگر اس کی دلیل قرآن مجید سے چاہتے ہو تو پڑھو: ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ...﴾ الآیۃ۔ ”کوئی نفس نہیں جانتا جو کچھ ہم نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کیلئے پوشیدہ کر رکھا ہے، جو کچھ کرتے تھے یہ اس کا بدلہ ہے“۔

یہ حدیث اس عظیم ثواب اور اس دائمی نعمت کی دلیل ہے جسے اللہ تعالی نے اپنے نیک بندوں پر بطور رحم کے اور ان کے اعمال صالحہ کے بدلے ان کے لئے تیار کر رکھا ہے، یہ ایسی عظیم نعمت ہے کہ اس کی خوبی اور مقدار کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ذرا غور کرو کہ جب بندوں نے لوگوں سے تہجد کی نماز کو خفیہ رکھا تو اللہ تعالی نے ان کے لئے وہ بدلہ پوشیدہ رکھا جسے کوئی بھی شخص نہیں

جانتا، اور جب وہ لوگ نمازِ تہجد کیلئے اپنے بستر سے اٹھتے ہیں اور انھیں قلق و اضطراب لاحق ہوتا ہے تو اس کا بدلہ جنت میں انھیں آنکھوں کی ٹھنڈک سے دیا ہے[1]۔

جنت، جنت کی نعمتوں اور اہل جنت کی صفات کے بارے میں بکثرت آیات واحادیث وارد ہیں، چنانچہ ایک جگہ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ ٱلْأَنفُسُ وَتَلَذُّ ٱلْأَعْيُنُ ۖ وَأَنتُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ﴾ [الزخرف: ۷۱] ''ان کے جی جس چیز کی خواہش کریں اور جس سے ان کی آنکھیں لذت پائیں سب وہاں ہوگا، اور تم اس میں ہمیشہ رہو گے''۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: ﴿وَبَشِّرِ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ ٱلصَّٰلِحَٰتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ ۖ كُلَّمَا رُزِقُواْ مِنْهَا مِن ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُواْ هَٰذَا ٱلَّذِى رُزِقْنَا مِن قَبْلُ ۖ وَأُتُواْ بِهِۦ مُتَشَٰبِهًا ۖ وَلَهُمْ فِيهَآ أَزْوَٰجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۖ وَهُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ﴾ [البقرة: ۲۵] ''اور ایمان والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو ان جنتوں کی خوشخبریاں دو جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں وجب کبھی وہ پھلوں کا رزق دئے جائیں گے اور ہم شکل لائے جائیں گے تو کہیں گے کہ یہ وہی ہے جو ہم اس سے پہلے دئے گئے تھے، اور ان کے لئے بیویاں ہیں صاف ستھری اور وہ ان جنتوں میں ہمیشہ رہنے والے ہیں''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: '' «أَوَّلُ زُمْرَةٍ تَلِجُ الجَنَّةَ صُورَتُهُمْ عَلَى صُورَةِ القَمَرِ لَيْلَةَ البَدْرِ، لاَ يَبْصُقُونَ فِيهَا، وَلاَ يَمْتَخِطُونَ، وَلاَ يَتَغَوَّطُونَ، آنِيَتُهُمْ فِيهَا

---

[1] حادی الارواح: ۱۷۴۔

الذَّهَبُ، أَمْشَاطُهُمْ مِنَ الذَّهَبِ وَالفِضَّةِ، وَمَجَامِرُهُمُ الأَلُوَّةُ، وَرَشْحُهُمُ المِسْكُ، وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ زَوْجَتَانِ، يُرَى مُخُّ سُوقِهِمَا مِنْ وَرَاءِ اللَّحْمِ مِنَ الحُسْنِ، لاَ اخْتِلاَفَ بَيْنَهُمْ وَلاَ تَبَاغُضَ، قُلُوبُهُمْ قَلْبٌ وَاحِدٌ، يُسَبِّحُونَ اللَّهَ بُكْرَةً وَعَشِيًّا"[1]. ''پہلا گروہ جو جنت میں داخل ہوگا ان کے چہرے اس طرح چمکتے ہوں گے جیسے چودھویں رات کا چاند ہوتا ہے ،وہ تھوکیں گے، نہ رینٹ صاف کریں گے اور نہ ہی پاخانہ وپیشاب کریں گے،ان کے برتن چاندی کے ہونگے ،ان کی کنگھیاں سونے اور چاندی کی ہونگی ،ان کی انگیٹھیوں پر {جلانے کیلئے} خوشبودار لکڑی ہوگی ،ان کا پسینہ کستوری کی طرح خوشبودار ہوگا ،ان میں سے ہر ایک کے لئے دو بیویاں ہونگی، حسن کی وجہ سے جن کی پنڈلیوں کا گودا گوشت کے پیچھے سے نظر آرہا ہوگا ، ان کے درمیان آپس میں نہ کوئی اختلاف ہوگا، نہ باہم بغض وعناد، ان کے دل ایسے ہوں گے جیسے ایک آدمی کا دل ہو، وہ صبح وشام اللہ تعالی کی تسبیح میں مشغول ہونگے''۔

جنت میں جو سب سے افضل چیز اہل جنت کو ملنے والی ہے وہ رؤیت باری تعالی ہے، حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ: "كنا عند النبي صلى الله عليه وسلم إذ نظر إلى القمر ليلة البدر فقال أما إنكم سترون ربكم كما ترون هذا القمر لا تضامون أو لا تضاهون في رؤيته فإن استطعتم أن لا تغلبوا على صلاة قبل طلوع الشمس وقبل غروبها فافعلوا ثم قرأ ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ

---

[1] صحیح البخاری:۳۲۴۵۔

طُلُوعِ ٱلشَّمۡسِ وَقَبۡلَ غُرُوبِهَا}"."ہم لوگ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھے کہ آپ نے رات میں چودہویں کے چاند کو دیکھ کر فرمایا: اپنے رب کا دیدار تم لوگ ایسے ہی کرو گے جس طرح تم لوگ اس چاند کو دیکھ رہے ہو، اس کے دیکھنے میں تمھیں کسی قسم کی رکاوٹ پیش نہیں آئے گی۔ پس اگر تم سے ہو سکے تو سورج ڈوبنے سے قبل کی نماز اور سورج ڈوبنے کے بعد کی نماز میں تم مغلوب نہ ہو، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ قَبۡلَ طُلُوعِ ٱلشَّمۡسِ وَقَبۡلَ غُرُوبِهَا﴾ [طہ: ۱۳۰] "سورج نکلنے سے پہلے اور اس کے ڈوبنے سے پہلے تسبیح کرتے رہیں"[1]۔

جنت کی نعمتیں وصف سے باہر ہیں، وہم وگمان اس تک پہنچنے سے عاجز ہیں، یہ نعمتیں اس لائق ہیں کہ اس کے لئے عمل کرنے والے عمل کریں، سبقت لے جانے کی کوشش کریں، اس امت کے بزرگوں کا یہی حال رہا ہے، البتہ ان کے بعد ایسے لوگ پیدا ہوئے جنھوں نے معاملہ کو بالکل الٹا کر دیا، چنانچہ ان کی پوری کوششیں اور ان کا باہمی مقابلہ دنیا اور دنیا کی پونجی جمع کرنے پر مرکوز ہے، حضرت حسن رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب تو لوگوں کو خیر کے کام میں مقابلہ کرتے دیکھے تو اس میں شریک ہو جا اور جب انھیں کسی ہلاکت کے کام میں پائے تو انھیں اور ان کے پسندیدہ کاموں کو چھوڑ کر ہٹ جا[2]۔

اس لئے مسلمان کو چاہئے کہ اللہ تعالی کے پاس موجود اس دائمی نعمت کی طرف راغب رہے، زندگی بھر اعمال صالحہ میں لگا رہے اور اہل جنت کے وہ اوصاف جنھیں

---

① صحیح البخاری: ۵۵۴، صحیح مسلم: ۶۳۳۔

② حلیۃ الاولیاء: ۲/۱۵۷۔

اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں اور نبی ﷺ نے {اپنی حدیثوں میں} بیان کیا ہے انھیں اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ جیسے اللہ تعالی پر ایمان لائے اور ہر اس چیز پر ایمان لائے جس پر ایمان لانا واجب ہے، تقوی کو لازم پکڑے، اطاعت الہی پر ثابت قدم رہے، نفل عبادات کا اہتمام کرے۔

نیز اپنے اندر عمدہ اخلاق پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ جیسے لوگوں کے ساتھ احسان کرنا، معاف کرنا، غصہ کو پی جانا، لغو باتوں اور راگ و گانے کی مجلسوں سے دوری اختیار کرنا وغیرہ۔ اسی طرح اللہ تعالی کی حرام کردہ کاموں سے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے وغیرہ۔

اے اللہ! اے کرم کرنے والوں میں سب سے زیادہ کریم، اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے، آپ سے سوال ہے کہ ہمیں اپنی دائمی جنت میں جگہ دے، اس میں اپنی رضامندی کو ہمارے لئے ثابت کر، ہمیں اپنے مبارک چہرے کی طرف دیکھنے کی لذت نصیب فرما، ہمیں بخش دے، ہمارے والدین کو بخش دے اور تمام مسلمانوں کو بخش دے۔

چھٹی حدیث:

جہنم اور جہنمیوں کی بعض صفات کا بیان

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "نَارُكُمْ هذه التي يوقم بنو آدم جُزْءٌ واحد مِنْ سَبْعِينَ جُزْءًا مِنْ حر جَهَنَّمَ"، قالوا والله إِنْ كَانَتْ لَكَافِيَةً يا رسول الله قَالَ فإنها : "فُضِّلَتْ بِتِسْعَةٍ وَسِتِّينَ جُزْءًا كُلُّهُنَّ مِثْلُ حَرِّهَا". {صحیح البخاری:3265، صحیح مسلم:۲۸۴۶}

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہاری یہ آگ جسے آدمی جلاتے ہیں جہنم کے آگ کی گرمی کا سترواں حصہ ہے۔ لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم یہ ایک ہی حصہ ہوتی تو بھی کافی تھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پھر بھی اس آگ کو اس آگ سے انسٹھ حصہ بڑھا دیا گیا ہے، اس میں ہر حصہ کی گرمی اس دنیا کے آگ کی گرمی کی طرح ہے۔

یہ حدیث جہنم کی آگ کے سخت گرم ہونے کی دلیل ہے اور یہ کہ دنیا کی آگ اپنی اس تیزی کے باوجود جہنم کے آگ کی گرمی کا ایک معمولی حصہ ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے: ﴿وَأَصْحَٰبُ ٱلشِّمَالِ مَآ أَصْحَٰبُ ٱلشِّمَالِ ﴿٤١﴾ فِى سَمُومٍ وَحَمِيمٍ ﴿٤٢﴾ وَظِلٍّ مِّن يَحْمُومٍ﴾ [الواقعۃ:۴۱-۴۳] "اور بائیں ہاتھ والے کیا ہیں، بائیں ہاتھ والے گرم ہوا اور گرم پانی میں ہوں گے، اور سیاہ دھوئیں کے سایے میں۔

نیز فرمایا: ﴿وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ۝٨ فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ ۝٩ وَمَآ أَدْرَىٰكَ مَا هِيَهْ ۝١٠ نَارٌ حَامِيَةٌۢ﴾ [القارعۃ:۸-۱۱] ''اور جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے اس کا ٹھکانا ''ھاویہ'' ہے، تجھے کیا معلوم کہ ھاویہ کیا ہے، وہ تند و تیز آگ ہے''۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''**اطَّلَعْتُ فِي النَّارِ فَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا النِّسَاءَ**''[1] ''میں نے جہنم میں جھانکا تو اس میں اکثریت عورتوں کی دیکھی''۔

اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''**إِنَّ عَلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ عَهْدًا لِمَنْ يَشْرَبُ الْمُسْكِرَ أَنْ يَسْقِيَهُ مِنْ طِينَةِ الْخَبَالِ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ. وَمَا طِينَةُ الْخَبَالِ؟ قَالَ: "عَرَقُ أَهْلِ النَّارِ" أَوْ "عُصَارَةُ أَهْلِ النَّارِ".**''[2]

''اللہ تعالی پر یہ عہد ہے کہ جو شخص اس دنیا میں شراب یا کسی اور نشیلی چیز کا استعمال کرتا ہے اسے ''طینہ الخبال'' پلائے گا، لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ ''طینہ الخبال'' کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: جہنمیوں کا پسینہ اور خون و پیپ ہے''۔

اللہ تبارک وتعالی نے اپنی کتاب عزیز میں جہنم کی آگ سے ہمیں متنبہ کیا ہے اور ہمارے اوپر بطور رحم کرتے ہوئے جہنم کے طرح طرح کے عذابوں کی خبر دی ہے تاکہ اس سے ہم ڈریں اور خوف کھائیں اور ہر اس کام سے دور رہیں جو جہنمیوں کی صفات ہیں۔

---

[1] البخاری:۶۵۴۶۔

[2] صحیح مسلم:۲۰۰۲۔

اس لئے مسلمان کو چاہئے اس جہنم سے بچتا رہے جو ہلاکت و بربادی کا گھر ہے، بدبختی اور سخت عذاب کا گھر ہے اور ایسا صرف اللہ تبارک وتعالی کی اطاعت ہی کے ذریعہ ہوسکتا ہے، اس طرح کہ بندہ اللہ کے اوامر کو عمل کرے، اس کے نواہی سے بچے، جہنمیوں کے کاموں اور ان کی صفات سے دور رہے۔ جیسے شرک باللہ، کفر، رسولوں کی تکذیب، اللہ کے احکام کے ساتھ مسخرہ پن، قتل، سودخوری، نماز کو ضائع کرنا، زکاۃ نہ دینا اور عمدا روزہ خوری، نیز یہ کہ برے اخلاق سے بھی دور رہے۔ جیسے جھوٹ، خیانت، ظلم، والدین کی نافرمانی اور قطع رحمی وغیرہ ہر وہ کام جنکی حرمت پر نصوص وارد ہیں۔

یہ حدیث جو زیر بحث ہے اس بات کی دلیل ہے دنیا کی آگ کو دیکھ کر ہم آخرت کی آگ کو یاد کریں، جیسا کہ ارشاد فرمایا ہے: ﴿نَحْنُ جَعَلْنَٰهَا تَذْكِرَةً وَمَتَٰعًا لِّلْمُقْوِينَ﴾ [الواقعہ: ۷۳]

"ہم نے آگ کو سبب نصیحت اور مسافروں کے فائدہ کی چیز بنایا ہے"۔

آیت میں وارد لفظ" مقوین" کا معنی مسافر ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مسافر وغیر مسافر سبھی لوگ مراد ہیں جو اس آگ سے مستفید ہوتے ہیں، کیونکہ ہر کسی کا کھانا بغیر آگ کے تیار نہیں ہوتا۔

اے اللہ! ہمیں آگ سے نجات دے، ذلت و رسوائی اور ہلاکت کے گھر سے بچا، اپنی رحمت سے ہمیں نیک اور پرہیزگاروں کے گھر [جنت] میں داخل کردے، اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے اپنی رحمت سے ہمیں معاف کردے، ہمارے والدین کو معاف کردے اور تمام مسلمانوں کو بخش دے۔

ساتویں حدیث:

توبہ کے وجوب کا بیان

عن الاغر بن یسار المزنی رضی اللّٰه عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَا أَيُّهَا النَّاسُ تُوبُوا إِلَى اللّٰهِ، فَإِنِّي أَتُوبُ فِي الْيَوْمِ إِلَيْهِ مِائَةَ، مَرَّةٍ". {صحیح مسلم:۲۷۰۲}

"حضرت اغر بن یسار مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالی کے حضور توبہ کرو، کیونکہ میں بارگاہ الٰہی میں روزانہ سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں"۔

یہ حدیث اس امر پر دلیل ہے کہ ہر انسان پر توبہ واجب ہے، کیونکہ اس حدیث میں توبہ کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور ہر حکم وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

نیز ارشاد باری تعالی ہے: ﴿وَتُوبُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ [النور:۳۱] "اور اے مسلمانو! تم سب کے سب اللہ تعالی کی جناب میں توبہ کرو تا کہ تم نجات پاؤ"۔

نیز فرمایا: ﴿وَأَنِ ٱسْتَغْفِرُواْ رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوٓاْ إِلَيْهِ﴾ [ھود:۳] "اور یہ کہ تم لوگ اپنے رب کے حضور استغفار کرو پھر اس کی جناب میں توبہ کرو"۔

ہر بندے کے لئے توبہ کرنا ضروری ہے، کیونکہ کوئی بھی انسان گناہ یا اللہ تعالی کی اطاعت میں تقصیر سے بچا ہوا نہیں ہے۔ نیز یہ بھی واضح رہے کہ جس طرح گناہ کے کام سے توبہ کی جاتی ہے اسی طرح ان نیک کاموں کے ترک پر بھی توبہ ہے جن کے

کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اور یہ بھی واضح رہے کہ توبہ فوری طور پر واجب ہے، اس میں تاخیر سے کام لینا جائز نہیں ہے، کیونکہ کسی انسان کو یہ معلوم نہیں ہے کہ اس پر موت کب دھاوا بول دے۔ اور اس لئے بھی کہ ایک برائی دوسری برائی کا سبب بنتی ہے، اسی کو گناہ پر اصرار کرنا کہا جاتا ہے جو بندے کی دل کی سختی اور اللہ تعالی سے دوری کا سبب بنتا ہے۔ نیز یہی چیز ایمان کی کمزوری کا بھی سبب ہے۔ کیونکہ ایمان اعمال طاعت سے بڑھتا اور گناہ کے کاموں سے گھٹتا ہے۔

لہٰذا مسلمان کو چاہئے کہ اس مہینہ {رمضان} کا خاتمہ اللہ تعالی سے توبہ اور اس کی طرف انابت پر کرے، وہ کام انجام دے جو اس کے مولی کو محبوب ہو اور اس کام کو چھوڑ دے جسے وہ پسند نہیں کرتا ہے۔ نیز مسلمان کو چاہئے کہ مہینہ {رمضان} کی ابتداء میں جو کوتاہی رہ گئی ہے [مہینہ کے آخر میں]اس کا تدارک کرلے، اپنے رب کے دروازے پر ذلیل وخوار بندے کی طرح کھڑا ہو اور بندہ عاجز کی طرح اس کے سامنے حاضر ہو۔

وہ سچی توبہ جس کا اللہ تعالی نے حکم دیا ہے اس کی پانچ شرطیں ہیں۔

1) اخلاص نیت: بایں معنی کہ توبہ خالص رضائے الٰہی کے لئے ہو، چنانچہ طاعت الٰہی کے جذبے اور اس کی محبت وتعظیم کو سامنے رکھتے ہوئے اس کے ثواب کی امید اور اس کے عقاب کے خوف سے توبہ کرے۔

2) جو گناہ کر رہا ہے اسے فورا ترک کردے: پس اگر کسی حرام کام کا مرتکب ہے تو فورا اس سے رک جائے، اگر کسی واجب کا تارک ہے اور اس واجب کی قضا ممکن ہے

تو اس کی ادائیگی میں جلدی بازی سے کام لے، جیسے زکاۃ وحج، اور اگر وہ گناہ کسی آدمی کے حق سے متعلق ہے اور مال کی شکل میں ہے تو اسے واپس کر دے بشرطیکہ وہ زندہ ہو، اور اگر وہ مر چکا ہے تو اس کے وارثین کے حوالے کر دے، اور اگر اس مال کے مالک کا پتہ نہیں ہے تو اس کی نیت سے صدقہ کر دے، اور اگر وہ حق کسی کی غیبت سے متعلق ہو اور وہ شخص اس غیبت کو جان گیا ہو یا یہ ڈر ہو کہ وہ جان جائیگا تو اس سے معافی مانگ لے، ورنہ اس کے لئے استغفار کرے اور اس کے پیٹھ پیچھے اسی مجلس میں اس کی تعریف وتوصیف بیان کرے جس مجلس میں اس کی غیبت کی تھی۔ کیونکہ نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔

3) توبہ کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ اپنے گناہ پر شرمندہ ہو اور وہ تمنا کرے کہ کاش کہ یہ کام اس سے نہ ہوا ہوتا، تاکہ اس کی یہ شرمندگی اللہ تعالی کے سامنے ذلت وعاجزی کا سبب بنے ۔

4) اس بات کا عزم صادق ہونا چاہئے کہ وہ اس گناہ کی طرف کبھی بھی نہ پلٹے گا۔ کیونکہ توبہ کا یہی مقصد ہوتا ہے اور توبہ کرنے والے کی سچے ہونے کی دلیل ہے۔

5) توبہ اس مقررہ وقت میں ہو جس میں توبہ قبول ہوتی ہے۔ اگر وقت کے گزر جانے کے بعد توبہ کرتا ہے تو وہ توبہ قبول نہ ہوگی۔ اس کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''**مَنْ تَابَ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا، تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ**''[1]۔

''جو شخص سورج کے مغرب سے طلوع ہونے سے قبل توبہ کر لیگا اس کی توبہ قبول کی

---

[1] صحیح مسلم: ۲۷۰۳۔

جائے گی''۔

نیز حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''إِنَّ اللَّهَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ العَبْدِ مَا لَمْ يُغَرْغِرْ''[1] ''اللہ تعالی بندے کی توبہ قبول کرتا ہے جب تک غرغرہ کی کیفیت طاری نہ ہوجائے''۔

یعنی جب تک اس کی روح حلقوم تک نہ پہنچ جائے، اس وقت تک توبہ قبول کی جائے گی۔

اے اللہ! اے وہ ذات جسے نہ کسی کی نافرمانی نقصان پہنچاتی ہے اور نہ کسی کی اطاعت فائدہ دیتی ہے، ہمیں توبہ و انابت کی توفیق بخش، اے ہمارے مولی ہمیں غفلت کی نیند سے بیدار کر، فرصت کے اوقات کو غنیمت سمجھنے کی توفیق بخش دے۔ اے اللہ ہمارا شمار ان لوگوں میں کر جنہوں نے تیرے اوپر توکل کیا اور تو ان کے لئے کافی ہوا، تجھ سے ہدایت طلب کی اور تو نے انھیں ہدایت بخشی، تجھ سے مدد طلب کی تو تو نے ان کی مدد کی، آپ کے سامنے گڑگڑائے تو آپ نے رحم کیا۔ ہمیں بخش دے، ہمارے والدین کو بخش دے اور تمام مسلمانوں کو بخش دے۔

[1] سنن الترمذی: ۳۵۳۷، سنن ابن ماجہ: ۴۲۵۳، مسند احمد: ۱۰/ ۳۰۰ سنن ابن ماجہ میں عبداللہ بن عمرو وارد ہے جو راوی کا وہم ہے جیسا کہ حافظ نے تحفۃ الاشراف میں بیان کیا ہے۔

آٹھویں حدیث:

زکاۃ فطر

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: "فَرَضَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ زَكَاةَ الفِطْرِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ عَلَى العَبْدِ وَالحُرِّ، وَالذَّكَرِ وَالأُنْثَى، وَالصَّغِيرِ وَالكَبِيرِ مِنَ المُسْلِمِينَ، وَأَمَرَ بِهَا أَنْ تُؤَدَّى قَبْلَ خُرُوجِ النَّاسِ إِلَى الصَّلَاةِ". {صحیح البخاری:۱۵۰۲،صحیح مسلم:۹۸۴}

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کے ہر چھوٹے بڑے، مرد و عورت اور آزاد و غلام پر ایک صاع کھجور یا جو بطور صدقہ فطر کے فرض کیا اور حکم دیا کہ لوگوں کے نماز عید کیلئے نکلنے سے قبل ادا کیا جائے"۔

یہ حدیث اس امر پر دلیل ہے کہ ہر چھوٹے بڑے، آزاد و غلام اور مرد و عورت مسلمان پر زکاۃ فطر واجب ہے۔ یہ زکاۃ ان امور سے روزے کی صفائی ہے جو اسے گندہ کرتے اور اس کے ثواب میں نقص پیدا کرتے ہیں۔

نیز اس کا مقصد خوشی [عید] کے دن میں مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔

نیز اس میں سخاوت و مساوات کی صفت کا اظہار بھی ہے۔ اور مزید یہ کہ اس میں روزہ وتراویح کے تکمیل اور نیک عمل کی توفیق پر اللہ تعالی کی نعمت کا شکریہ ادا کرنا ہے۔

زکاۃ فطر کی مقدار ایک صاع گیہوں یا جو، کھجور یا کشمش یا پنیر ہے، یا ملک کی وہ غذا جو ان چیزوں کے قائم مقام ہو، جیسے چاول وغیرہ۔

صاع کی مقدار {عصری وزن کے لحاظ سے} سوا دو کیلو ہے۔

زکاۃ فطر اسی جگہ ادا کی جائے گی جہاں بندہ رمضان مکمل کر رہا ہے اور وہاں عید کی نماز سے قبل حاضر ہے۔ یہی افضل طریقہ ہے۔ البتہ عید سے دو ایک دن قبل بھی ادا کرنا جائز ہے، جیسا کہ بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم کا عمل رہا ہے۔

امام ابوداود رحمہ اللہ کہتے ہیں میں نے سنا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے نماز عید سے قبل زکاۃ فطر ادا کرنے سے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک دو دن پہلے بھی نکال دیتے تھے اور وہی اس کے راوی ہیں [1]۔

اور اگر عید کا علم کسی کو بعد میں ہوا، یا زکاۃ فطر کے نکالنے کے وقت وہ شہر سے باہر تھا، یا جس شہر میں تھا وہاں کوئی مستحق نہ مل سکا، تو نماز عید کے بعد دینے سے زکاۃ فطر ادا ہو جائے گی۔

زکاۃ فطر میں کھانے والی چیزوں کے بدلے نقدی دینا جائز نہ ہوگا، کیونکہ نقد دینا حدیث کے خلاف ہے۔ امام ابوداود کہتے ہیں کہ ایک بار امام احمد بن حنبل سے سوال کیا گیا اور میں سن رہا تھا کہ کیا {صدقہ فطر میں} درہم دیا جا سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: مجھے ڈر ہے کہ ادا نہ ہوگا، کیونکہ یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے خلاف ہے [2]۔

صدقہ فطر انسان اپنی طرف سے ادا کرے اور ہر اس شخص کی طرف سے ادا کرے جس کا خرچ اس پر لازم ہے۔ جیسے اس کے وہ اہل وعیال جو اپنا فطرہ اپنے آپ نہ دے سکیں البتہ اگر وہ خود ادا کر سکتے ہیں تو وہ خود ادا کریں، کیونکہ وہی اس حکم کے مخاطب ہیں۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ حدیث سے ظاہر ہے۔

آدمی کو چاہئے کہ صدقہ فطر لینے والے سے متعلق یہ تحقیق کر لے کہ حقیقت میں بھی وہ اس کا مستحق ہے [کہ نہیں]، اسلئے کہ بہت سے لوگ کسی خاص وجہ سے اپنی اور اپنے اہل

---

① مسائل احمد لابی داود: ۸۵۔ ② مسائل احمد لابی داود: ۸۵، المغنی: ۲۹۵/۴۔

وعیال کی زکاۃ فطر کسی معین شخص کو دینے کے برابر عادی ہوتے ہیں۔ حالانکہ یہ جائز نہیں ہے، اس لئے کہ زکاۃ اللہ تعالی کا حق ہے جس میں کسی کی طرف داری جائز نہیں ہے، کیونکہ بہت ممکن ہے کہ اس شخص کے حالات بدل گئے ہوں اور وہ شخص اب مستحق نہ رہا ہو۔

فقیر کے لئے یہ جائز ہے کہ اگر کسی شخص کا فطرہ قبول کر رہا ہے تو اس کو اپنی طرف سے یا اپنے کسی گھر والے کی طرف سے بطور فطرہ کے دے دے، البتہ ضروری ہے وہ خود ناپ کر وزن کی تحقیق کر لے۔

آدمی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ زکاۃ میں ردی قسم کا مال دے، کیونکہ اللہ تعالی پاک وعمدہ ہے اور عمدہ مال کو قبول کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَنفِقُواْ مِن طَيِّبَٰتِ مَا كَسَبۡتُمۡ وَمِمَّآ أَخۡرَجۡنَا لَكُم مِّنَ ٱلۡأَرۡضِۖ وَلَا تَيَمَّمُواْ ٱلۡخَبِيثَ مِنۡهُ تُنفِقُونَ وَلَسۡتُم بِـَٔاخِذِيهِ إِلَّآ أَن تُغۡمِضُواْ فِيهِۚ وَٱعۡلَمُوٓاْ أَنَّ ٱللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ﴾ [البقرة:٢٦٧] ''اے ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی میں سے اور زمین میں سے تمہارے لئے ہماری نکالی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرو۔ ان میں سے بری چیزیں خرچ کرنے کا قصد نہ کرنا جسے تم خود لینے والے نہیں ہو، ہاں اگر آنکھیں بند کر لو تو۔ اور جان لو کہ اللہ تعالی بے پرواہ اور خوبیوں والا ہے''۔

اے اللہ! ہمارے نفسوں کو تقوی نصیب فرما، اسے پاک کر، کیونکہ تو بہترین پاک کرنے والا ہے، تو ہی اس کا ولی ومولی ہے۔ اے اللہ! ہمارے معاملے کا انجام بخیر کر، دنیا اور آخرت کی رسوائی سے ہمیں محفوظ رکھ، اور ہمیں معاف کر دے، ہمارے والدین کو بخش دے اور تمام مسلمانوں کو بخش دے۔

نوویں حدیث:

عید کے دن کے کام

روى ابن أبي شيبة بسنده، عَنِ الزُّهْرِيِّ، ''أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ، فَيُكَبِّرُ حَتَّى يَأْتِيَ الْمُصَلَّى، وَحَتَّى يَقْضِيَ الصَّلَاةَ، فَإِذَا قَضَى الصَّلَاةَ، قَطَعَ التَّكْبِيرَ''. {مصنف ابن ابی شیبہ: ۲/۱۶۴}

''مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت زہری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عید الفطر کے دن نماز کیلئے نکلتے اور عیدگاہ پہنچنے تک برابر تکبیر پڑھتے رہتے، یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہوجاتے۔ جب نماز سے فارغ ہوجاتے تو تکبیر کہنا بند کردیتے''[1]۔

عیدگاہ جاتے ہوئے راستے میں اور اسی طرح عیدگاہ میں نماز عید پڑھنے تک بلند آواز سے تکبیر کہنے کی مشروعیت پر یہ حدیث [واضح] دلیل ہے۔

اللہ تعالی نے رمضان المبارک کے خاتمہ پر شب عید غروب آفتاب سے لیکر نماز عید تک اپنے بندوں کیلئے تکبیر کہنا مشروع قرار دیا ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے: ﴿وَلِتُكْمِلُوا۟ ٱلْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا۟ ٱللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَىٰكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ [البقرة:۱۸۵]

''وہ [اللہ تعالی] چاہتا ہے کہ تم گنتی پوری کرلو اور اللہ تعالی کی دی ہوئی ہدایت پر اس کی بڑائیاں بیان کرو اور اس کا شکر ادا کرو''۔

---

[1] یہ حدیث یہاں بسند صحیح مرسل مروی ہے جسکی تایید دیگر متعدد حدیثوں سے ہوتی ہے۔ دیکھئے سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ۱۷۱ اور ارواء الغلیل: ۳/۱۲۲۔

تکبیر کے الفاظ یہ ہیں "**الله أكبر الله أكبر لا إله إلا الله والله أكبر الله أكبر ولله الحمد**"۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے نماز عید کو مشروع قرار دیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس ذکر کی تکمیل ہے {جس کا ذکر مذکورہ آیت میں ہے} یہ ایسی سنت ہے جسے آج مسلمانوں کو چھوڑنا نہیں چاہئے، بلکہ بعض اہل علم تو اس طرف گئے ہیں کہ یہ نماز واجب ہے۔جس کی دلیل حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث میں جس میں وہ بیان کرتی ہیں کہ: "اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ عیدین میں جوان لڑکیوں اور پردہ نشین عورتوں کو {اور حائضہ عورتوں} بھی ساتھ لے جائیں، اور یہ بھی حکم دیا کہ حائضہ عورتیں مسلمانوں کی نماز پڑھنے کی جگہ سے الگ تھلگ رہیں"[1]۔

لے جانے کا حکم دینے کا معنی یہ ہے کہ ہر اس عورت کو نماز کا حکم دیا جارہا ہے جسے کوئی عذر نہ ہو، تو جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کو نماز عید کا حکم دیا ہے تو مرد اس حکم کے زیادہ حقدار ہیں۔

اور یہ بھی چاہئے کہ مسلمان کا عیدگاہ کی طرف نکلنا عمدہ ہیئت اور اچھی صورت میں ہو، یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتدا میں جائز زینت سے مزین ہو، اچھے سے اچھا کپڑا پہنا ہو، نیز چاہئے کہ اس مبارک مہینہ کے خاتمہ پر زیبائش کے حرام طریقوں سے پرہیز کرے، جیسے داڑھی چھلانا، ٹخنے سے نیچے کپڑا لٹکانا اور اس جیسے دیگر وہ کام جنھیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، بلکہ {ایسے کاموں سے} سچی توبہ کرنا چاہئے، بہت ممکن ہے کہ اس کا شمار اللہ کے مقبول بندوں میں ہو جائے۔

---

[1] صحیح البخاری: ۹۸۰، صحیح مسلم: ۸۹۰۔

عیدگاہ جانے میں جلدی سے کام لے تاکہ امام کے قریب بیٹھنے اور نماز کے انتظار کی فضیلت سے سرفراز ہو۔ اور {نماز عید کیلئے آتے جاتے} راستہ بدلنا بھی سنت ہے، یعنی ایک راستے سے جائے اور دوسرے راستے سے واپس ہو۔ جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ عید کے دن راستہ بدلتے تھے[1]۔

ایک سنت یہ بھی ہے کہ بندہ عیدگاہ جانے سے قبل طاق عدد میں کھجوریں کھائے: تین یا پانچ یا اس سے زیادہ کی عدد میں، البتہ خاتمہ طاق عدد پر ہی ہو۔ جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''**كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لاَ يَغْدُو يَوْمَ الفِطْرِ حَتَّى يَأْكُلَ تَمَرَاتٍ**''[2] ''اللہ کے رسول ﷺ عید الفطر کے دن {نماز کے لئے} نہیں نکلتے تھے حتی چند کھجور کھالیں''۔

ایک روایت میں ہے کہ ''یہاں تک کہ طاق عدد کھجور کھالیں''[3]

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی ماسبق حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز عید میں عورتوں کی بھی حاضری مشروع ہے، بشرطیکہ ایسے طریقہ سے ہو جو ان کے لئے یا ان کے ذریعہ فتنہ کا باعث نہ ہو، اس طرح کہ وہ خوشبو لگا کر نہ نکلیں، اظہار زینت کے بغیر نکلیں اور مردوں سے دور رہیں۔

مسلمان کو چاہئے کہ نماز عید میں لوگوں کو اس اجتماع کو دیکھ کر (قیامت کے دن) ان کے ایک ہی میدان میں اجتماع کو یاد کرے، یعنی بعث وجزاء کے دن کے اجتماع کو جس دن تمام لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہونگے۔

---

① صحیح البخاری: ۹۸۶ العیدین۔ ② صحیح البخاری: ۹۵۳۔

③ فتح الباری: ۲/۴۴۶۔

نیز اس اجتماع میں ایک دوسرے پر لوگوں کے فرق مراتب کو دیکھ کر آخرت میں لوگوں کے فرق مراتب کو یاد کرے۔

ارشاد باری تعالی ہے: ﴿ٱنظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ وَلَلْءَاخِرَةُ أَكْبَرُ دَرَجَٰتٍ وَأَكْبَرُ تَفْضِيلًا﴾ [الاسراء:۲۱] ''دیکھو! میں نے ایک کو ایک پر کس طرح فضیلت دے رکھی ہے اور آخرت تو درجوں میں اور بھی بڑھ کر ہے اور فضیلت کے اعتبار سے بھی بہت بڑی ہے''۔

مسلمان کو چاہئے کہ {عید کے دنوں میں} اللہ تعالی کے ذکر وشکر میں غفلت سے پرہیز کرے، بلکہ ان اوقات کو اطاعت اور نیک کاموں سے معمور کرے اور اسے لہو ولعب میں صرف نہ کردے، جیسا کہ اس زمانے میں اکثر لوگوں کا حال ہے۔

اے اللہ! ہمیں ایمان پر ثابت قدم رکھ، ہماری ماسبق نافرمانیوں اور گناہوں کو معاف کر، یہ مہینہ ہمارے لئے تیری رضامندی پر ختم ہو، ہمارا ٹھکانا جنت بنا، اپنے فضل واحسان کو ہم پر عام کردے، ہمیں معاف کردے، ہمارے والدین کو معاف کردے اور تمام مسلمانوں کو بخش دے۔

نیا کپڑا پہننے کی دعا:

''اللَّهُمَّ لَكَ الحَمْدُ أَنْتَ كسَوتَنِيه أسْألك مِنْ خَيْرِهِ وَخَيْرِ مَا صُنع لَهُ، وأعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهِ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَهُ''

رمضان کے بعد
سے متعلقہ حدیث

پہلی حدیث:

شش عیدی روزوں کی فضیلت

عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّهُ حَدَّثَهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ، كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ". (صحیح مسلم: ۱۱۶۴ الصیام)[1]

"حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے رمضان کے روزے رکھے اور اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے تو گویا کہ اس نے پورے زمانے کا روزہ رکھا"۔

یہ حدیث شوال کے چھ روزوں کے فضیلت کی دلیل ہے۔ اس حدیث میں زمانہ سے مراد سال ہے، یعنی گویا کہ اس شخص نے پورے سال کا روزہ رکھا۔

اس کی تفضیل سنن نسائی وغیرہ میں ان الفاظ میں مروی ہے۔

"جَعَلَ اللهُ الْحَسَنَةَ بِعَشْرٍ فَشَهْرٌ بِعَشَرَةِ أَشْهُرٍ وَسِتَّةُ أَيَّامٍ بَعْدَ الْفِطْرِ تَمَامُ السَّنَةِ".[2] "اللہ تعالی نے ایک نیکی کا اجر دس گناہ رکھا ہے، اس طرح ایک مہینہ {رمضان کا روزہ} دس مہینوں کے {روزوں کے} برابر ہے اور عید الفطر کے بعد {شوال کے} چھ دن کے روزے {دو مہینوں کے روزوں کے برابر ہیں، اس طرح

---

① متعدد علماء نے اس حدیث کے موقوف ہونے سے متعلق گفتگو کی ہے۔ امام احمد بن حنبل کا بھی میلان اسی طرف ہے دیکھئے لطائف المعارف: ۲۵۶، نیز اس حدیث سے متعلق امام العلائی کا مستقل رسالہ دیکھئے۔

② سنن النسائی الکبری: ۲۲۹ / ۳، سنن ابن ماجہ: ۱۷۱۵ الصیام، مسند احمد: ۹۴ / ۷ / ۳، یہ حدیث حسن ہے۔

گویا} پورے سال کا روزہ ہو گیا''۔

اللہ تعالی کا اپنے بندوں پر یہ بہت بڑا فضل ہے کہ انھیں بغیر کسی مشقت کے زمانے بھر کے روزے کا ثواب حاصل ہو رہا ہے۔ ویسے اللہ تعالی ہی بہتر جانتا لیکن ان روزوں کی تعداد چھ رکھنے کی بظاہر یہی حکمت ہے۔

اس لئے انسان کو چاہئے کہ ان ایام کے روزوں کا اہتمام کرے تا کہ اس عظیم فضل کو حاصل کر سکے۔

نیز یہ بھی دھیان میں ہے کہ کسی عبادت کے قبولیت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اس سے متصل کوئی اور عبادت کی جائے، اسی طرح ان دنوں کا روزہ رکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ بندہ روزہ رکھنے میں راغب ہے، اس سے محبت کرتا ہے، روزے سے اکتایا نہیں ہے، اور نہ اسے اپنے اوپر بوجھ محسوس کیا ہے، جیسا کہ ابھی گزرا کہ روزہ بہترین اعمال میں سے ہے۔

نیز نفلی روزے کا ایک فائدہ دوسری نفلی عبادات کی طرح یہ بھی ہے کہ فرائض کی ادائیگی میں جو کمی وکوتاہی رہ جاتی ہے اسے روزہ پورا کرتا ہے۔ اس بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے جو نماز سے متعلق وارد ہے کہ: ''**قَالَ الرَّبُّ عَزَّ وَجَلَّ: انْظُرُوا هَلْ لِعَبْدِي مِنْ تَطَوُّعٍ فَيُكَمَّلَ بِهَا مَا انْتَقَصَ مِنَ الفَرِيضَةِ، ثُمَّ يَكُونُ سَائِرُ عَمَلِهِ عَلَى ذَلِكَ**''[1].

---

① ابو داود: ۸۶۴ الصلاۃ، الترمذی: ۴۱۲ الصلاۃ، النسائی: ۲۳۴، ۲۳۲ / ۱، ابن ماجہ: ۱۴۲۵ الصلاۃ، مسند احمد: ۲۷۸ / ۱۳ ان ائمہ نے اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے متعدد سندوں سے روایت کیا ہے، اسکی بعض سندیں ضعیف بھی ہیں۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے دیکھئے صحیح سنن الترمذی: ۱۲۰ / ۱، صحیح النسائی: ۱۰۱ / ۱۔

’’{قیامت کے دن فرض نمازوں کے حساب میں جب کچھ کمی ہوگی تو} اللہ تبارک وتعالی فرمائے گا کہ دیکھو کیا میرے بندے کے نامہ اعمال میں کچھ نوافل بھی ہیں کہ اس کے ذریعہ فرائض کی کمی کو پورا کردیا جائے؟ پھر اس کے سارے اعمال کا حساب اسی طریقے پر ہوگا‘‘۔

اسی طرح نفل روزہ مسلمان کو اللہ تعالی کے نزدیک بلند درجات حاصل کرنے اور محبت الٰہی سے سرفراز ہونے کے قابل بناتا ہے۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے: ’’مَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ، وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ‘‘[1] ’’بندہ فرائض سے بڑھکر کسی اور عمل کے ذریعہ میرا قرب حاصل نہیں کرسکتا اور وہ نوافل عبادت کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں‘‘...الحدیث

اس بارے میں افضل تو یہ ہے کہ ان چھ دنوں کا روزہ متواتر رکھا جائے لیکن پورے شہر شوال میں ناغہ کرکے بھی رکھنا جائز ہے،[2] البتہ عید کے فورا بعد پے در پے رکھ لینا ناغہ کرکے رکھنے سے بچند وجوہ بہتر ہے۔

۱۔ ایسا کرنا خیر کی طرف سبقت کرنے میں داخل ہے۔

۲۔ اس بارے میں جلدی سے کام لینا اس بات کی دلیل ہے کہ بندہ روزہ کے بارے میں رغبت رکھتا ہے اور اس سے اکتایا نہیں ہے۔

۳۔ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ موخر کرنے کی صورت میں کوئی ایسا عارضہ پیش آجائے

---

① صحیح البخاری: ۶۵۰۲۔

② سبل السلام: ۲/۳۳۱۔

جو اسے روزہ پورا کرنے سے روک دے۔

۴۔ رمضان کے بعد شوال کے چھ روزوں کی حیثیت فرض نمازوں کے لئے سنن راتبہ کی ہے۔اس لئے فرض کے فورا بعد ہی ہونا چاہئے۔

جس کے اوپر رمضان کے بعض روزوں کی قضا باقی ہو اسے اولا رمضان کے روزے پورے کرنا چاہئے، پھران چھ دنوں کا روزہ رکھنا چاہئے، کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ جس نے رمضان کا روزہ رکھا {پھر شوال کے چھ روزے رکھے} اور جس کے اوپر رمضان کے کچھ دن باقی رہ گئے ہیں انھیں پورا کرنے سے قبل یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس شخص نے رمضان کے روزے رکھے پھراس کے بعد {شوال کے} چھ روزے رکھے، اوراس لئے بھی کہ واجب کی ادائیگی میں جلد بازی سے کام لینے سے مکلف اپنی ذمہ داری سے بری ہوجاتا ہے۔

اہل علم کے قول سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اگر شوال کا مہینہ گزر گیا اور کوئی ان شش عیدی روزوں کو نہیں رکھ سکا تو ان کی قضا نہیں ہے، خواہ کسی عذر سے نہ رکھ سکا ہو یا بغیر عذر کے چھوڑ دیا ہو۔ کیونکہ یہ ایسی سنت ہے جس کا موقع ومحل جاتا رہا ہے اور شارع نے اسے شوال کے ساتھ خاص کیا ہے، لہذا جس نے شوال کے علاوہ کسی اور مہینہ میں ان روزوں کو رکھا اسے یہ فضیلت حاصل نہ ہوگی۔ اس لئے کہ اس طرح سبقت کرنے اور اللہ تعالی کے نزدیک ایک محبوب عمل کی ادائیگی میں جلد بازی کرنے کی مصلحت جاتی رہی ہے، نیز یہ بھی ہے کہ اگر اس بارے میں شوال اور غیر شوال برابر ہوتے تو شوال کے قید کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

اے اللہ ہمارے اسلام کی حفاظت فرما کھڑے ہونے کی حالت میں، ہمارے

اسلام کی حفاظت فرما بیٹھنے کی حالت میں، ہمارے اسلام کی حفاظت فرما لیٹنے کی حالت میں، ہمارے حاسدوں اور دشمنوں کو ہم پر ہنسنے کا موقعہ نہ دے، اے اللہ ہم آپ سے اس خیر کے طالب ہیں جس کا خزانہ آپ کے ہاتھ میں ہے، اور ہم ہر اس شر سے تیری پناہ چاہتے ہیں جس کا خزانہ تیرے پاس ہے۔

دوسری حدیث:

رمضان کے بعد استقامت

عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ اللهِ الثَّقَفِيِّ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، قُلْ لِي فِي الْإِسْلَامِ قَوْلًا لَا أَسْأَلُ عَنْهُ أَحَدًا غيرك، قَالَ: "قُلْ: آمَنْتُ بِاللّٰهِ، فَاسْتَقِمْ". (صحیح مسلم:۳۸ الایمان)

"حضرت سفیان بن عبد اللہ الثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے اسلام کے بارے میں کوئی ایسی بات بتلا دیں کہ اس کی بابت آپ کے علاوہ کسی اور سے سوال نہ کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم کہو: میں اللہ تعالی پر ایمان لایا، پھر اس پر ثابت قدم رہو"۔

یہ حدیث اس امر پر دلیل ہے کہ اللہ تعالی پر ایمان لانے کے بعد بندے سے مطالبہ ہے کہ فرامین شرع پر عمل اور ممنوعات شرع سے پرہیز کرتے ہوئے طاعت الٰہی پر جما رہے، اور یہ اسی وقت ہوگا جب بغیر دائیں بائیں مڑے درست دین یعنی صراط مستقیم پر گامزن رہنے کا التزام کرے گا۔

جب مسلمان نے رمضان المبارک کا ایک ماہ اس طرح گزارا کہ دن کے وقت روزہ اور رات کے وقت تراویح میں مشغول رہا اور اپنے آپ کو ہر عمل خیر کا عادی بنایا تو اسے چاہئے کہ [رمضان کے بعد بھی] برابر اللہ تعالی کی اطاعت کے کاموں پر جما رہے۔

اگرچہ رمضان المبارک کو دوسرے مہینوں پر یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس میں نیکی

کے کام بکثرت ادا کیئے جاتے ہیں اور نفلی عبادات زیادہ بجالائی جاتی ہیں لیکن اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ ایک مسلمان سے اسی حالت میں ہمیشہ باقی رہنے کا مطالبہ ہے، البتہ یہ ضرور ہے کہ اسے تو چاہئے کہ ہر وقت خیر کے کاموں کی طرف راغب اور نافرمانی کے کاموں سے متنفر رہے، تاکہ یہ ظاہر ہو کہ اس نے اپنے مہینہ {رمضان} سے استفادہ کیا ہے۔

رمضان المبارک کے بعد مسلمان کی استقامت اور اپنے اقوال وافعال میں نیکی کی طرف میلان اس بات کی بھی دلیل ہے کہ بندہ رمضان المبارک سے مستفید ہوا ہے اور وہ عمل خیر کی طرف راغب ہے۔ یہ چیز قبولیت کا نشانی اور کامیابی کی علامت ہے۔

نیز یہ بات بھی واضح رہنی چاہئے کہ مسلمان کے عمل خیر کا سلسلہ ایک مہینہ کے آنے اور دوسرے مہینہ کے جانے سے ختم نہیں ہوتا، بلکہ اس کے عمل کا سلسلہ موت تک جاری ہے۔ارشاد باری تعالی ہے: ﴿وَٱعۡبُدۡ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأۡتِيَكَ ٱلۡيَقِينُ﴾ [الحجر: ۹۹] ’’اپنے رب کی عبادت موت آنے تک کرتے رہے‘‘۔

اسلئے {یہ بات دھیان میں رہنی چاہئے کہ} رمضان کے روزے تو ختم ہو گئے لیکن نفلی روزے سال بھر مشروع ہیں۔ اسی طرح اگر قیام رمضان ختم ہو گیا تو پورا سال قیام کا وقت ہے، اور اگر زکاۃ فطر کا وقت گزر گیا تو فرض زکاۃ اور نفلی صدقات کا وقت پورے سال رہتا ہے۔ نیز قرآن مجید کی تلاوت، اس میں غور وفکر اور ہر نیک عمل کا مطالبہ ہر وقت ہے۔ اور یہ تو بندوں پر اللہ تعالی کا فضل ہے کہ نیکیوں کے مجال بکثرت اور خیر کے راستے متعدد ہیں تاکہ مسلمان کی چستی قائم و دائم رہے اور اپنے آقا کی خدمت میں وہ مستقل طور پر لگا رہے۔

یہ بات بڑے افسوس کی ہے کہ بعض لوگ رمضان میں تو طرح طرح کی نیکیاں بجالاتے ہیں چنانچہ وہ پنج وقتہ نمازیں مسجد میں ادا کرتے ہیں، تلاوت قرآن کثرت سے کرتے ہیں، اپنے مالوں سے صدقہ بھی کرتے ہیں لیکن رمضان گزر جانے کے بعد نیکی کے کاموں میں سست میں پڑ جاتے ہیں، بلکہ بسا اوقات واجبات کو بھی ترک کر دیتے ہیں، جیسے نماز با جماعت خاصکر نماز فجر کی جماعت، اسی طرح بعض گناہوں کا ارتکاب بھی کرنا شروع کر دیتے ہیں جیسے نماز کا ترک اور لہو ولعب اور گانے وغیرہ کے آلات سے چمٹے رہنا، اسی طرح اللہ تعالی کی دی ہوئی نعمتوں کو گناہ کے کاموں میں لگانا۔ اس طرح تو گویا ان لوگوں نے جو عمارت تعمیر کی تھی اسے ڈھا دیا، اور اس دھاگے جسے بڑی مضبوطی سے بٹا تھا اسے ادھیڑ دیا۔ یہی تو محرومی کی دلیل اور خسارے کی علامت ہے۔ ہم تو اللہ تعالی سے سلامتی اور ثابت قدمی کی دعا کرتے ہیں۔

ادھر سلف صالحین { کا یہ حال تھا کہ وہ } اولاً عمل پورا کرنے، کامل طور پر ادا کرنے اور عمدہ طریقہ پر انجام دینے کی پوری کوشش کرتے تھے پھر اس کے بعد اس کی قبولیت کی فکر میں لگے رہتے اور اسے رد کر دئے جانے سے ڈرتے رہتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان نقل کیا جاتا ہے "عمل کرنے سے زیادہ اس کی قبولیت کی فکر کرو، کیا تم نے اس فرمان الہی کو نہیں سنا کہ: ﴿ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ ٱللَّهُ مِنَ ٱلْمُتَّقِينَ ﴾ [المائدۃ: ۲۷] "اللہ تعالی تو صرف متقیوں کا عمل قبول کرتا ہے"۔

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس آیت کے متعلق سوال کیا: ﴿ وَٱلَّذِينَ يُؤْتُونَ مَآ ءَاتَوا۟ وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَٰجِعُونَ ﴾ [المومنون: ٦٠] "اور جو لوگ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور ان

کے دل کپکپاتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں''۔ میں نے کہا کہ کیا یہ وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے اور چوری کرتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا: ''لَا يَا بِنْتَ الصِّدِّيقِ، وَلَكِنَّهُمُ الَّذِينَ يَصُومُونَ وَيُصَلُّونَ وَيَتَصَدَّقُونَ، وَهُمْ يَخَافُونَ أَنْ لَا تُقْبَلَ مِنْهُمْ ﴿أُوْلَٰٓئِكَ يُسَٰرِعُونَ فِي ٱلۡخَيۡرَٰتِ وَهُمۡ لَهَا سَٰبِقُونَ ﴾ [المومنون:٦١] '' اے صدیق کی بیٹی ایسا نہیں ہے، بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو روزہ رکھتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں اور صدقہ وخیرات کرتے ہیں، اور اس کے ساتھ ساتھ وہ ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں ان کا عمل رد نہ کر دیا جائے، یہی وہ لوگ ہیں جو نیک کاموں میں جلدی کرنے والے اور اس میں سبقت لے جانے والے ہیں [1]۔

اے اللہ اپنے ذکر وشکر اور حسن عبادت پر ہماری مدد فرما، اپنی طاعت پر استقامت کی توفیق عنایت فرما، اللہ ہمیں ان کاموں کی توفیق دے جس میں ہماری مصلحت پوشیدہ ہو، گناہوں اور برائیوں سے ہمیں محفوظ رکھ، اللہ ہمیں ہدایت یافتہ اور ہدایت دینے والا بنا، گمراہ اور گمراہ کن نہ بنا، ہمیں بخش دے، ہمارے والدین کو بخش دے اور تمام مسلمانوں کو بخش دے۔

---

① الترمذی: ٣١٧٥، وسنن ابن ماجہ: ٤١٩٨، احمد: ١٥٦/ ٤٢، تفسیر ابن جریر: ٢٦/ ١٨، مستدرک الحاکم: ٢٩٣/ ٢، امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا اور امام ذھبی نے اس پر خاموشی اختیار کی ہے، اس حدیث کی سند میں ایک جگہ انقطاع ضرور ہے لیکن اسکی تایید حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک اور حدیث سے ہوتی ہے جسکی طرف امام ترمذی نے اشارہ کیا ہے، دیکھئے السلسلۃ الصحیحۃ: ١٦٢۔

تیسری حدیث:

رمضان کی قضا کا بیان

عن عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، تَقُولُ: كَانَ يَكُونُ عَلَيَّ الصَّوْمُ مِنْ رَمَضَانَ، فَمَا أَسْتَطِيعُ أَنْ أَقْضِيَهُ إِلَّا فِي شَعْبَانَ.{صحیح البخاری:۱۹۵۰الصوم،صحیح مسلم:۱۱۴۶الصوم}

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ بیان کرتی ہیں کہ مجھ پر رمضان کے روزے باقی رہتے جنھیں میں شعبان میں قضا کر پاتی تھی''۔

یہ حدیث اس امر پر دلیل ہے کہ جو شخص کسی عذر کی بنا پر رمضان کے روزے چھوڑ دے تو اس پر اس کی قضا ضروری ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ قضا فوری طور پر ضروری نہیں ہے بلکہ اس کا وجوب وقفہ کے ساتھ ہے، اس لئے جس کے اوپر رمضان کے کچھ دنوں کی قضا ہو اس کے لئے شعبان تک موخر کرنا جائز ہے، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عمل رہا ہے، کیونکہ اگر تاخیر جائز نہ ہوتی تو وہ ایسا نہ کرتیں اور نہ ہی اس پر مداومت کرتیں، اس لئے کہ بظاہر اس کی اطلاع نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ضرور ہوئی ہوگی۔

البتہ قضا میں جلدی کرنا تاخیر کرنے سے بہتر ہے، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے انداز سے پتہ چلتا ہے کہ وہ قضا میں پہل کرنے کو ترجیح دیتی تھیں، اس لئے کہ اپنے تاخیر کا یہ عذر بیان کیا ہے کہ وہ {شعبان سے قبل} روزہ نہ رکھ سکتی تھیں، ورنہ اگر رکھ سکتیں تو شعبان تک موخر نہ کرتیں۔

قضا میں جلدی کرنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس طرح ذمہ داری سے بری

ہونے میں جلدی کرنا ہے۔

نیز دین کے بارے میں احتیاط کا پہلو بھی یہی ہے۔اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ [جلدی نہ کرنے کی صورت میں انسان بھول جائے، خاصکر اگر چھوٹے ہوئے دن کم ہوں۔

نیز قضا میں تاخیر نہ کرنا عمل خیر میں جلدی کرنے سے متعلق عمومی دلائل کے تحت بھی داخل ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَسَارِعُوٓاْ إِلَىٰ مَغۡفِرَةٖ مِّن رَّبِّكُمۡ وَجَنَّةٍ عَرۡضُهَا ٱلسَّمَٰوَٰتُ وَٱلۡأَرۡضُ أُعِدَّتۡ لِلۡمُتَّقِينَ﴾ [آل عمران:۱۳۳]

''اور اپنے رب کی بخشش کی طرف اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، جو پرہیز گاروں کے لئے تیار کی گئی ہے''۔

نیز فرمایا:﴿أُوْلَٰٓئِكَ يُسَٰرِعُونَ فِي ٱلۡخَيۡرَٰتِ وَهُمۡ لَهَا سَٰبِقُونَ﴾[المومنون: ۶۱] ''یہی وہ لوگ ہیں جو جلدی جلدی بھلائیاں حاصل کر لیتے ہیں اور یہی ہیں جو ان کی طرف دوڑ جانے والے ہیں''۔

واضح رہے کہ قضا میں لگا تار روزے رکھنا واجب نہیں ہے، بلکہ جائز ہے کہ لگا تار روزہ رکھے یا مختلف اوقات میں۔اس لئے کہ اللہ تعالی فرماتا ہے:

﴿فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوۡ عَلَىٰ سَفَرٖ فَعِدَّةٞ مِّنۡ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾[البقرۃ:۱۸۴] ''اور جو بیمار ہو یا مسافر ہو تو اسے دوسرے دنوں میں یہ گنتی پوری کرنی چاہئے''۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قضا کے روزوں کا الگ الگ

کر کے رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے [1]۔

البتہ قضا میں لگا تار روزے رکھنا مکلف کے حق میں بہتر ہے۔ کیونکہ اس طرح اس پر سے فریضہ جلدی ساقط ہو جائے گا اور علماء کے اختلاف سے بھی بچ جائے گا، کیونکہ بعض علماء قضا میں بھی لگا تار روزہ رکھنے کو واجب کہتے ہیں۔

نیز اس لئے بھی کہ روزہ دار اگر لگا تار روزہ رکھتا ہے تو اس میں نشاط محسوس کرتا ہے، بخلاف اس کے اگر الگ الگ کر کے روزہ رکھتا ہے { تو کاہلی کا شکار ہو جاتا ہے اور تاخیر پر تاخیر ہوتی جاتی ہے } خاصکر اگر چھوٹے ہوئے دن زیادہ ہوں۔

ویسے آیت کے عموم سے یہی پتہ چلتا ہے کہ پورا سال قضا کا وقت ہے سوائے عید کے دن اور ایام تشریق کے، کیونکہ ان دنوں میں قضا کے روزے رکھنا صحیح نہ ہوگا، اس لئے کہ ان دنوں میں روزہ رکھنے سے منع کیا گیا ہے۔

ایک رمضان کے روزوں کی قضا دوسرے رمضان تک موخر کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے شعبان کو رمضان کے قضا کی آخری مدت بتلائی ہے، اور اگر کسی عذر کی بنیاد پر رمضان کی قضا کو دوسرے رمضان تک کسی نے موخر کر دیا گیا، جیسے مرض وسفر وغیرہ کی وجہ سے اس کا عذر باقی رہا اور روزوں کی قضا نہیں کر سکا حتی کہ دوسرا رمضان آ گیا تو اس پر [قضا کے علاوہ] کوئی اور چیز واجب نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: ﴿لَا يُكَلِّفُ ٱللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ [البقرة:

[1] صحیح البخاری: ۱۹۲ / ۴، میں یہ اثر معلق ہے البتہ مصنف عبد الرزاق: ۲۴۳ / ۴، مصنف ابن ابی شیبة: ۳۴، ۳۳ / ۳، سنن الدارقطنی: ۱۹۲ / ۲ میں یہ اثر بسند صحیح مروی ہے، نیز اس بارے میں دوسرے صحابہ سے بھی آثار مروی ہیں جو اسکی تایید کرتے ہیں۔

۲۸۶] ''اللہ تعالی کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں بناتا''۔

اس لئے اس شخص کو چاہئے کہ موجودہ رمضان گزر جانے کے بعد بھی ان چھوٹے ہوئے دنوں کی قضا کرلے۔

اور اگر کوتاہی سے کام لیا اور بغیر عذر کے قضا کو دوسرے رمضان تک موخر کر دیا تو اس رمضان کے بعد اس کی قضا کرے، لیکن اس پر [ہر روز کے لحاظ سے ایک مسکین کو] کھانا کھلانے کا کفارہ نہیں ہے، اللہ تعالی کے اس فرمان سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ: ﴿فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ [البقرہ] ''وہ اور دنوں میں گنتی کو پوری کرلے۔ البتہ اس کوتاہی کی وجہ سے اس پر توبہ واستغفار واجب ہے۔

ہاں: بعض صحابہ جیسے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے قضا کے ساتھ ہر روز کے حساب سے ایک مسکین کو کھانا کھلانے کا بھی فتوی دیا ہے، شاید ایسا بطور اجتہاد اور اس کوتاہی کرنے والے پر بطور سزا کے تھا۔ نیز اس کوتاہی کو گویا کھان کھلا کر پورا کرنا ہے۔

چنانچہ امام دارقطنی رحمہ اللہ حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ ان سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے رمضان کے روزوں کی قضا کے بارے میں کوتاہی سے کام لیا حتی کہ دوسرا رمضان آ گیا، تو انہوں نے فرمایا: یہ شخص لوگوں کے ساتھ { اس رمضان کا } روزہ رکھے، پھر ان چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا کرے گا جنکی ادائیگی میں کوتاہی سے کام لیا ہے اور ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا بھی کھلائے [1]۔

---

[1] سنن الدارقطنی: ۲/۱۹۷، امام دارقطنی نے فرمایا کہ اسکی سند صحیح ہے۔ نیز حضرت عبداللہ بن عباس کے اثر کی سند بھی صحیح ہے۔

یہی فتوی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔

اس فتوی کا قبول کرنا بہت موزون ہے، خواہ استحباب کے طور پر ہی ہو، اس لئے کہ اس میں غلطیوں کا تدارک صدقہ سے کرنا ہے اور صدقہ کرنا عموماً ایک پسندیدہ امر ہے۔ واللہ اعلم

اے اللہ ہمارے اعمال کی اصلاح کردے، اے رب آپ سے جو ہماری امیدیں وابستہ ہیں انھیں پوری کردے اور صبح وشام اپنی اطاعت پر جمائے رکھ، ہمارے گناہوں کو معاف فرما، ہمارے درجات کو بلند فرما، ہمارے ماؤں اور باپوں پر رحم فرما، ہمیں بخش دے، ہمارے والدین کو بخش دے اور تمام مسلمانوں کو بخش دے۔

چوتھی حدیث:

میت پر واجب روزہ

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: ”مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ“.{صحیح البخاری: ۱۹۵۲الصوم، صحیح مسلم: ۱۱۴۷الصوم}

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جس شخص کا انتقال ہوا اور اس پر روزے کی قضا باقی ہے تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزہ رکھے“[1]۔

یہ حدیث اس امر پر دلیل ہے کہ جس کا انتقال ہوا اور اس پر واجبی روزہ باقی ہے تو بہتر ہے کہ اس کا ولی اپنے عزیز کی طرف سے ان روزوں کی قضا کرے، کیونکہ یہ اس کے ساتھ حسن سلوک، نیکی کرنے اور صلہ رحمی میں داخل ہے۔ اس طرح میت اپنی ذمہ داری سے ان شاءاللہ بری ہو جائیگا۔

اس حدیث میں ولی سے مراد اسکا وارث یا کوئی اور قرابت دار ہے۔ البتہ وارث قرابت داری کا زیادہ حقدار ہے۔

یہ حدیث میت پر ہر قسم کے واجب روزے کو شامل ہے خواہ وہ واجب شرع کی طرف سے ہو، جیسے رمضان کا روزہ، یا نذر ماننے سے واجب ہوا ہو۔

---

① مسند بزار میں اس حدیث کے آخر میں اتنا اضافہ ہے کہ” اگر چاہے تو“۔ علامہ ھیثمی رحمہ اللہ نے اس اضافے کو حسن قرار دیا ہے مجمع الزوائد: ۳/ ۱۷۹ لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تلخیص الحبیر میں لکھتے ہیں کہ یہ اضافہ ضعیف ہے، کیونکہ اس اضافہ کو ابن لھیعہ نے روایت کیا ہے، تلخیص الجبیر :۲۲۱/ ۲، حافظ کے کہنے کا مقصد یہ ہے یہ اضافہ صرف ابن لھیعہ سے مروی ہے اور وہ ضعیف راوی ہیں واللہ اعلم۔

اس سلسلے میں اہل علم کی دومختلف رایوں میں سے ایک رائے یہی ہے۔

اورحضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک عورت اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اورعرض کیا: اے اللہ کے رسول! میری ماں کا انتقال ہوگیاہےاوراس پر نذر کا روزہ باقی ہے، کیا میں اس کی قضا کروں؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: **أَرَأَيْتِ لَوْ كَانَ عَلَى أُمِّكِ دَيْنٌ فَقَضَيْتِيهِ، أَكَانَ يُؤَدِّي ذَلِكِ عَنْهَا؟ "قَالَتْ: نَعَمْ، قَالَ: فَصُومِي عَنْ أُمِّكِ".** ''ذرا یہ بتلاؤ کہ اگر تمہاری ماں پر قرض ہوتا اور تو اسے ادا کرتی تو اس کی طرف سے ادا ہوجاتا کہ نہیں؟ اس نے کہا ضرور ادا ہوجاتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو اپنی والدہ کی طرف سے روزہ رکھو۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک شخص اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میری والدہ کا انتقال ہوگیا اوران پر ایک مہینہ کا روزہ باقی ہے، کیا میں ان روزوں کی قضا کروں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تیری ماں پر کوئی قرض ہوتا تو کیا اسے ادا کرتا؟ اس نے جواب دیا: ضرور ادا کرتا، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **"فدين الله احق ان يقضى"** ''تو اللہ تعالی کا قرض ادا کرنے کا زیادہ حقدار ہے''[1]۔

بعض روایات میں "ماں" کے بجائے بہن کا ذکر ہے۔

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ سے ایک بار نذر کے روزوں سے متعلق سوال کیا گیا اور دوسری بار ایک مہینہ کے روزے سے متعلق سوال کیا گیا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ ایک مہینہ کا روزہ رمضان کا ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ نذر کا ہو۔ اور

---

[1] صحیح البخاری: ۱۹۵۲، صحیح مسلم: ۱۱۴۷، دیکھئے فتح الباری: ۴/ ۱۹۴، مسند احمد تحقیق احمد شاکر حدیث نمبر ۳۴۲۰۔

ہر ایک کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی ارشاد فرمایا کہ اللہ کا قرض ادا کئے جانے کا زیادہ حقدار ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں واقعے الگ الگ ہیں۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے جو ایک عام قاعدہ معلوم ہوا کہ" ہر واجب روزہ جو میت پر ہو اور اسے زندگی میں قضا کا موقعہ بھی ملا ہو لیکن اپنے قضا روزے پورا نہ کیا ہو تو اس کی قضا ولی پر ہے"۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث اس عام قاعدہ کا ایک جزء ہے اور اس کی ایک خاص صورت ہے۔ لہٰذا یہ دونوں انفرادی واقعات ہیں، جس کے ساتھ جو صورت پیش آئی اس سے متعلق اس نے سوال کیا، اور ہر صورت میں جواب قضا ہی کا رہا۔

امام نووی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ صحیح مسلک یہی ہے کہ میت پر واجب روزے کی قضا اس کے ولی پر متعین ہے خواہ رمضان کا ہو، نذر کا ہو یا کوئی اور کوئی واجب روزہ۔ کیونکہ اس بارے صحیح حدیثیں وارد ہیں اور ان کے خلاف کوئی حدیث نہیں ہے [1]۔

یہ بات بھی دھیان میں رہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے مراد یہ ہے کہ [اس روزے کی قضا قریب ووارث پر واجب ہوگی کہ] انسان کو ان واجب روزوں کو پورا کرنے کا موقعہ ملا ہو اور اس نے روزہ نہ رکھا ہو، یعنی وہ بیماری سے شفا یاب ہوا، یا سفر سے واپس آیا اور روزہ نہیں رکھا یہاں تک وفات ہو گئی۔

اس لئے کہ اس صورت میں اس پر روزہ واجب ہوا یعنی موقعہ ملا { لیکن اس نے نہیں رکھا } تو اس کی قضا اسی طرح کی جائے گی جس طرح میت کی طرف سے اس کا قرض ادا کیا جاتا ہے۔

---

① المجموع: ۳۷۰/ ۱، نیز دیکھئے شرح مسلم للنووی شرح رقم حدیث ۱۱۴۷، ۱۱۴۸۔

البتہ اگر قضا کا موقعہ نہ مل سکا، اس طرح کہ مرض برابر جاری رہا، یا حیض ونفاس کا خون موت تک جاری رہا، یا اپنے سفر سے واپس نہ ہوا، بلکہ موت آگئی تو ایسے شخص کا روزہ نہ قضا کیا جائیگا اور نہ اس کے ترکہ سے اس کے بدلے مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے گا۔

اکثر اہل علم کا مسلک یہی ہے، کیونکہ {اس صورت میں} اس پر سے روزہ ساقط ہے۔ اس لئے کہ اسے قضا کرنے کا موقعہ ہی نہ مل سکا۔

اور اگر کسی شخص کی طرف سے اس کا قرابت دار روزہ نہ رکھ سکا تو ہر دن کے بدلے اس کے ترکہ سے ایک مسکین کو غلہ دیا جائے گا۔ ہر مسکین کو عمدہ قسم کے گیہوں کے لحاظ سے ایک مد دینا ہوگا۔ ایک مد کی مقدار ۵۶۳ گرام ہے۔ اور اگر میت کے ولی چھوٹے ہوئے دنوں کے برابر مسکینوں کو جمع کر کے انھیں کھلا کر آسودہ کر دیں تو یہ بھی جائز ہے، جیسا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ جب وہ روزہ رکھنے سے عاجز ہو گئے تو ایک دیگ کھانا پکایا اور تیس مسکینوں کو بلا کر پیٹ بھر کھلا دیا۔ {اس اثر کی تخریج گزر چکی ہے} اور اگر میت کے پاس ترکہ نہ ہو اور کوئی اس کی طرف سے بنیت ثواب کھانا کھلا دے تو یہ بھی کافی ہوگا۔ اور اگر کوئی اس کی طرف سے صدقہ کرنے والا نہ ملے تو اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔ واللہ اعلم

اے اللہ ہمیں وفات اس حال میں دے کہ ہم مسلمان ہوں۔ ہمیں اپنے نیک بندوں میں شامل کر، اس حال میں کہ نہ ہمیں ذلت لاحق ہو اور نہ ہم فتنہ میں مبتلا ہوں۔ اے اللہ ہمارے گناہوں کو معاف کردے، ہمارے عیوب پر پردہ ڈال، ہمارے روزہ کو قبول فرما، ہمارے اعمال کا ثواب پورا ہو۔
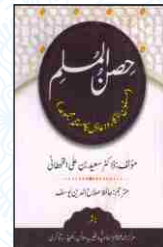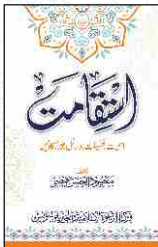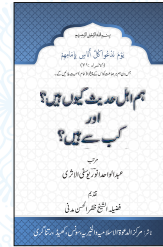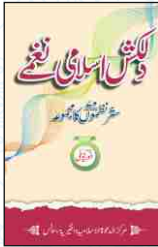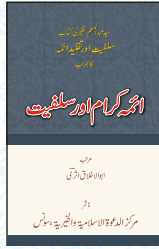
Sponsored By:

Roshni Educational And Welfare Trust

Published By:

Markaz-ud-Daawatul Islamiyah Wal Khayriyah

- Islami Compound, Savnas, Khed, Ratnagiri, Maharashtra - 415727. Tel : 02356-262555
- Bait-us-Salaam Complex, Mahad Naka, Khed, Ratnagiri. Maharashtra - 415709. Tel : 02356-264455